پندرہ روزہ

احباب جماعت کی تعلیم وتربیت کے لیے

پیغامِ صُلح

لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر:8532
قیمت فی پرچہ-/10 روپے

مدیر: چوہدری ریاض احمد

Email: centralanjuman@yahoo.com

فون نمبر: 5863260 5862956

جلد نمبر97 | 17 جمادی الثانی تا 17 رجب 1431 ہجری - یکم تا 30 جون 2010ء | شمارہ نمبر 12-11

احمدیہ انجمن لاہور کی خصوصیات

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پرانا۔
- کوئی کلمہ گو کافر نہیں۔
- قرآن کریم کی کوئی آیت بھی منسوخ نہیں نہ آئندہ ہوگی۔
- سب صحابہ اور آئمہ قابل احترام ہیں۔
- سب مجددوں کا ماننا ضروری ہے۔

اس شمارے میں

انڈونیشیا کے دورے کی تصویری جھلکیاں

حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز صاحب لیکچر کے بعد پیری
تعلیمی بورڈ کے اساتذہ کے ساتھ

حضرت امیر ایدہ اللہ ایک خاص بچے سے شفقت سے گفتگو کرتے ہوئے

پیری سکول (یوگ جکارتہ) میں حضرت امیر ایدہ اللہ اور عامر عزیز الازہری
طلباء کے ساتھ

پیری پروو کرتو سکول کے طلباء اپنے سکول یونیفارم میں
حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز الازہری کے ساتھ

حضرت امیر ایدہ اللہ ''تحریک احمدیت'' پر لیکچر دے رہے ہیں اور
محترم یاتمین صاحب ساتھ کھڑے مترجم کے فرائض سرانجام
دے رہے ہیں۔

پیری پرائمری سکول کی طالبات حضرت امیر ایدہ اللہ کا استقبال کرتے ہوئے

حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز صاحب پیری کے ایک سکول کے
اساتذہ اور طلباء کے ساتھ

جامع دارالسلام (یوگ جکارتہ) میں خواتین کا ایک منظر

جماعت احمدیہ لاہور کے احباب کے لئے حضرت امیر ایدہ اللہ کا خصوصی پیغام

ابتلاؤں اور مصائب کے وقت اللہ کے ذکر سے استقامت حاصل کریں

اللہ کا ذکر کثرت سے کریں اس نے ایسے بندوں کو یاد رکھنے کا وعدہ کیا ہے

خوف اور حزن قدرتی ردعمل ہیں، اللہ کی بندگی سے اس کو دور کیا جا سکتا ہے

علمائے دین کو امت میں نفرت اور نفاق کی بجائے باہم بھائی چارے اور اتحاد کی کوشش کرنی چاہیے

خطبہ جمعہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید ایدہ اللہ بنصرہ العزیز

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

''پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں انہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے۔ اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے۔ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے۔ کہتے ہیں ہم اللہ کے لئے ہی ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ یہی وہ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔'' **(البقرہ 2:152۔156)**

آج کے اس خطبہ کے لئے میں نے ان آیات کا انتخاب کیا ہے۔ جب بھی صبر، آزمائشوں، امتحانات سے ڈر اور خوف کے حالات مومنوں یا ملکوں پر آتے ہیں تو ذہن میں اس سے تعلق رکھنے والی آیات آ جاتی ہیں۔ آج کل یہ بات ہر ایک کو سوچنے پر مجبور کر رہی ہے کہ ایسا کیوں ہوا اور ایسا ان لوگوں کے ہاتھوں سے کیوں ہوا جو خود بھی اسلام سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور مسلمانوں کو ہی کیوں مارنے کے منصوبے بناتے ہیں۔ لاہور میں خوفناک واردات کرنے والوں میں سے ایک نوجوان جو پکڑا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے دل میں یہ نفرت ڈالی گئی کہ جو احمدی، قادیانی لوگ ہیں یہ رسول کریمؐ کے گستاخ ہیں اور یہ جتنے خاکے شائع ہو رہے ہیں یہ صرف ان کی طرف سے ہی بنائے جاتے ہیں۔ تو آپ جان سکتے ہیں کہ ہر ایک انسان کو، جو رسول کریمؐ کی توہین کرے۔ اس کو دوسرا مسلمان جو رسول کریمؐ سے انتہائی محبت رکھتا ہے کیوں نفرت سے نہ دیکھے اور جس شخصیت کو بدنام ہی اس کے لئے کیا جاتا ہے کہ اس نے رسول کریمؐ کی توہین کی اور اس کے ماننے والے رسول کریمؐ کو نہیں مانتے۔ یہ ساری غلط باتیں جو دنیا میں ان کے خلاف پھیلائی جارہی ہیں لوگوں کے جذبات کیوں نہ بھڑکیں۔ ایک مولانا صاحب نے فرمایا ہے کہ حکومت کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کے دو گروہ ہیں اور دونوں کی آپس میں شدید نفرت ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک نے دوسرے کے

خلاف یہ سازش کی ہو۔ یہ ساری غلط باتیں اور الزامات سراسر ناانصافی اور اصل حقیقت کو چھپانا ہے اور اللہ کے بھیجے ہوئے امام کو بدنام کرنا ہے۔ ایسے غیر ذمہ دارانہ اور غلط حقائق پر مبنی بیانات قوم میں باہم نفرت، تعصب اور نفاق پیدا کرتے ہیں۔ حکومت کو ایسے بیانات دینے والوں کا سد باب کرنا چاہیے۔ اس افسوسناک واقعہ کو ہوئے ایک جمعہ اور گزر چکا ہے کتنے ہی معصوم لوگ اللہ کی یاد میں نکلے تھے، بچے، جوان، بوڑھے، خواتین جو پھر گھر لوٹ کر نہ گئے، ہماری تمام تر ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ ہیں جنہوں نے شہادت حاصل کی، جو زخمی ہوئے اور جن کے خاندانوں کو صدمہ پہنچا ہے۔ یہ چاہے احمدی ہوں یا شیعہ، سنی ہوں، وہابی ہوں، عیسائی ہوں یا کسی بھی مذہب سے ان کا تعلق ہو ہم اسی طرح افسوس کرتے ہیں جس طرح ہم نے اپنے احمدی بھائیوں کے لئے کیا ہے۔ کسی معصوم انسان کو اس کے عقیدہ کی خاطر قتل کرنا یا مارنا دین اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہے۔ اسلام کا سبق لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ ہے یعنی ''دین میں کوئی جبر نہیں''۔

جو آیات میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہیں ان کی اب میں تشریح کرتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ اور ان کے ماننے والے سچے عاشق رسول ہیں اور دل سے ان کو خاتم النبین، اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے آخری نبی اور رسول مانتے ہیں۔ شاید بہت کم مساجد ایسی ہیں جن پر لکھا ہو۔ **انا خاتم النبین ، لانبی بعدی** ۔ ہم رسول کریمؐ کی اس تشریح پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ ہم تمام **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کلمہ پڑھنے والوں کو مسلمان مانتے ہیں۔ ہم یہ بھی مانتے ہیں کہ رسول کریمؐ کا دوسرا نام احمدؐ تھا اور انہی کے اس نام پر ہماری جماعت کا نام حضرت مرزا غلام احمد بانی سلسلہ نے احمدی رکھا اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے احمد ہونے کا دعویٰ کبھی نہیں کیا اور ان کو اللہ نے نام ہی ایسا دیا کہ یہ غلام احمد ہے اور اس پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کرے گا۔ اور ہم ہمیشہ سے اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دور میں محبت کی مثال شاید ہی مل سکے اور اس محبت کے صلہ میں ان کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کی امامت دی۔ کیا ایک انسان جو اپنی قلم سے لکھتا ہے:

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمدؐ دلبر میرا یہی ہے

جس ہستی کو وہ دلبر کہتا ہے کیا اس کے ماننے والے اس عظیم ہستی کی گستاخی کا سوچ سکتے ہیں؟ بُرے تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا چہرہ مسخ کر دیا۔ جنہوں نے اسلام کے نام پر قتل و غارت کا بازار عام کیا ہے۔ مسجدوں میں خون خرابہ کیا ہے۔ یہ اسلام تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اسلام کا مطلب امن اور سلامتی ہے۔ اور امن کا دین تخریب کاری کی کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ جو آیات میں نے پڑھی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے۔ ''مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو''۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی ثناء میں بھی ہے اور اس کے کہے ہوئے طریقوں پر چلنے میں بھی ہے۔ اس کو اپنا معبود، خالق اور سب سے اعلیٰ ترین ہستی ماننا یہ سب کچھ اس کی یاد میں شامل ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کو یوں لیجئے کہ تم مجھے امن، آسائش اور آرام کے وقتوں میں یاد رکھا کرو تاکہ میں تمہیں مصیبت کے وقتوں میں یاد رکھا کروں۔

مصیبت کا آنا انسان پر ایک امتحان ہے کیونکہ یہی واحد طریقہ ہے جس سے ایک مومن پرکھا جا سکتا ہے کہ کون ایمان کی مضبوطی دکھاتا ہے اور کون نہیں۔ ورنہ خدا تعالیٰ اپنے محبوب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کانٹا تک نہ چبھنے دیتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی آزمایا گیا۔ اسی طرح ہر محدث، مجدد اور امام کو آزمایا گیا۔ یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور خدا تعالیٰ کے تمام اصول اٹل ہوتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کسی چیز کو پانے کے لئے اس کے لئے امتحان، تکلیف، آزمائش میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اور اسی کی طرف اس آیت میں واضح اشارہ ہے۔ ''یہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ڈر، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصانات کے آزمائے''۔ اگر یہ آزمائش نہ ہو تو یہ کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ یہ سب کچھ جو دیا ہوا ہے ہم اس کو اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا رزق سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور اس رزق میں سے خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں کہ نہیں۔ رزق صرف مال، دولت اور کھانا پینا ہی نہیں ہے اس میں وہ تمام چیزیں بھی آجاتی ہیں جو انسان کو میسر ہوتی ہیں۔ ہر چیز کو قربان کر دینے، جان کو قربان کر دینے، مال کو قربان کر دینے، پھلوں کے نقصانات کو برداشت کرنا ہی آزمائش پر

پورا اترنا ہے۔صرف اس کی خاطر اسی جذبہ قربانی اور صبر کا امام وقت نے ہم سے وعدہ لے رکھا ہے کہ ''میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا''۔اسی دنیا کو مقدم کرنے اور قربانی کرنے کو ہی انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔کیا آپ نے ہر چیز بمعہ اپنے جان کے ہتھیلی پر رکھی ہوئی ہے۔اور جب اللہ چاہے اس میں سے کوئی چیز لے لے۔اس امتحان کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات ہوں گے۔''تو وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑا تو ان کو اپنی طرف سے رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف سیدھی راہ پر چلائے گا'' (نساء۴:۱۷۵)۔رب سے مغفرت اور بلند درجات حاصل کرنے میں، اس کی طرف سے رحمت اور ہدایت لینے میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ سے امتحان لیا جائے اور ان امتحانوں میں آگے نکل جانے والا ہی کامیاب ہے۔اس بارے میں سورہ حم سجدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ:''وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے، پھر استقامت سے اس سیدھی راہ پر چلتے رہتے ہیں تو ان پر فرشتے یہ کہتے ہوئے اترتے ہیں تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو'' (۴۱:۳۰)۔یہ خدا کی طرف سے ایمان لانے والوں کے لئے وعدہ ہے۔اور خدا تعالیٰ ایسے لوگوں کو جن کو وہ اپنا دوست کہتا ہے جن کو اندھیروں سے نور کی طرف لے آتا ہے۔ان کے بارے میں سورۃ یونس میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے: ترجمہ:''سنو! اللہ کے دوستوں پر کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے ہیں۔ان کے لئے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہ بڑی بھاری کامیابی ہے''۔(۱۰:۶۴)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ''اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔'' اللہ تعالیٰ ایک اصول بتاتا ہے کہ اولیاء اللہ خوف اور غمگین نہ ہوں گے۔آگے بتایا ہے کہ ''اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں''۔ اگر ہم دیکھیں تو کیا خوف اور حزن اولیاء اللہ کو آئے یا نہ آئے؟ اس سلسلہ میں دوبارہ سورۃ بقرہ کی طرف آتا ہوں:

ترجمہ:''جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' (2:288)۔اس طرح کے الفاظ سورۃ البقرہ اور دیگر سورتوں میں کئی مرتبہ آئے ہیں۔خوف یا غم انسانی ردعمل ہے۔جب ایسی کوئی حرکت ہو تو جسم کے اندر سے لازم ہے، ردعمل کے طور پر ایسی کیمیاوی تبدیلیاں مثلاً ''ایڈرانالین'' کا اخراج شروع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے آپ کا منہ بھی خشک ہوگا، نبض تیز ہوگی اور فکر بڑھے گی۔اگر اندر کیمیاوی یا جسمانی عمل نہ ہوگا تو بیرونی ردعمل نہ ہو سکے گا۔نہ انسان ڈٹ کر مقابلہ کرے گا اور نہ ڈر سے بھاگ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے چھوٹے سے چھوٹا جانور سینیل میں بھی یہ حس رکھی ہوئی ہے کہ جہاں اس کو کوئی خطرہ ہوتا ہے یا وہ اپنے آپ کو محفوظ کرنا چاہتا ہے تو اپنے شیل یا خول میں گھس جاتا ہے۔یہ ردعمل کا احساس ہے جس کے نتیجہ میں اس کا وجود فوری طور پر اس ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔

آج کل اجتماعی خطرات لاحق ہیں۔ایک گروہ زیادتی یا تشدد ایک منصوبہ بندی کے تحت کرتا ہے۔پورے معاشرے پر ایک انجانا خوف طاری رہتا ہے۔اس کی وجہ سے خوف اور غم کا لاحق ہونا لازمی ردعمل ہے۔ سورۃ الاعمران (3:173) میں ایسے پریشان کن اور دلوں میں خوف اور پریشانی والے حالات کا ذکر ان الفاظ میں کرتا ہے: ''وہ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کیے ہیں پس اس سے ڈرو''۔تو ایمان والے لوگوں کا ردعمل یہ تھا (اور یہ جنگ احزاب کا واقعہ ہے) ''تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھایا اور انہوں نے کہا اللہ ہمیں کافی ہے پس وہ اللہ کیا ہی کارساز ہے''۔جب ایسے حالات ہوں تو کون اللہ کو نعم الوکیل سمجھتا ہے۔کون حسبنا اللہ دل سے کہنے کی ہمت رکھتا ہے کہ اللہ کافی ہے اور کہ اللہ اچھا کارساز ہے اور اس پر یقین سے اور استقامت سے ڈٹا رہتا ہے۔(ربنا اللہ) کہنا آسان ہے لیکن اس پر استقامت دکھانا مشکل ہے۔

اسلامی تاریخ کا ایک واقعہ دیکھیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے وقت ایک غار کے اندر پناہ لیتے ہیں۔ان کو قتل کر دینے والے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں۔حضرت ابوبکرؓ اپنے ساتھی کے لئے فکرمند ہو کر گھبرا جاتے ہیں۔رسول کریمؐ نے اس وقت جو قوت ایمانی دکھائی اللہ نے اس کو وحی کی صورت میں ہمیشہ کے لئے

ریکارڈ کر دیا۔ ”جب وہ دونوں غار میں تھے جب آپؐ نے اپنے رفیق کو کہا کہ غمگین نہ ہو، اللہ ہمارے ساتھ ہے“ (40:9)۔ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کو فکر اور غم لاحق تھا۔ غم یہ نہیں کہ ہائے مارا جاؤں گا، غم یہ تھا کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ یہ اس چیز کا غم کر رہا ہے تو انہوں نے کہا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۔ اگر یہ کیفیت انسان کے اندر ہو، جس کی اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہاں تسلی دی ہے تو ایسے حالات میں کہ آپ کسی بھی جگہ ہوں، آپ معذور ہوں یا کمزور ہوں تو یہ الٰہی وعدہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہے، دل میں اطمینان اور یقین پیدا کرتا ہے۔ اور یہ امام وقت کی طرف سے بھی ہمیں کہا گیا ہے کہ اللہ نے بھی میرے ساتھ حفاظت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

قرآن مجید میں خوف اور کمزوری کے حالات کے سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ”ہم تجھ پر موسیٰ اور فرعون کی خبر سے کچھ حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اس کے رہنے والوں کو فرقے بنا رکھا تھا ان میں ایک گروہ کو کمزور کرتا جاتا تھا۔ ان کے بیٹوں کو مار دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا۔ وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کیے گئے تھے اور انہیں امام بنائیں اور انہیں وارث بنائیں اور انہیں زمین میں طاقت دیں“ (3:28-6)۔ ایک انسان جو اللہ پر یقین رکھے اور ایک وہ جو اللہ پر یقین نہ رکھے، اس میں فرق یہ رہ جاتا ہے کہ مومن ایسے حالات میں جانتا ہے کہ اللہ اس کا مددگار ہے اور جو اللہ پر یقین نہ رکھے اس کا ڈر ”بیماری“ کی حد تک پہنچ جاتا ہے اور اس کی ہمت اور استقامت کمزور پڑ جاتی ہے۔

یہ واقعات اور حقائق حوصلہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے لکھے ہیں۔ اور رسول کریمؐ نے ایسے حالات میں ایک نمونہ بھی قائم کیا۔ اس مضمون کو میں جاری رکھوں گا لیکن آپ نے دماغ میں اس حقیقت کو سمجھنا ہے کہ جب آپ اولیاء اللہ کہتے ہیں یعنی اللہ آپ کا دوست اور ولی ہے جن سے اللہ نے انعامات اور سکینت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ تو کیا ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اللہ کے اولیاء کی فہرست میں شامل ہیں؟ ہم کون سے ایسے عمل یا باتیں کرتے ہیں جن سے اللہ ہمیں اولیاء اللہ کی فہرت میں شامل کرے یا ہم خدا کو اپنا اصلی دوست سمجھ سکیں۔ کیا ہم میں وہ خصوصیات ہیں؟۔ یہ خصوصیات ہمیں پیدا کرنا پڑیں گی۔ کیونکہ امام وقت نے ہماری جماعت کو ایک حصار قرار دیا ہے۔ اس کو ”کشتی نوح“ کہہ کر بالکل واضح کر دیا ہے۔ لیکن اس کشتی میں سفر کی شرائط ہیں جو آپ کو پوری کرنا ہوں گی۔ آپ ہر کشتی میں سوار نہیں ہو سکتے۔ بیرونی ممالک جانے کے لئے آپ کو ویزہ لینا ہوتا ہے، ٹکٹ بھی لینا ہوتا ہے۔ امام وقت کی خدا کی کشتی پر سوار ہونے کے لئے متقی ہونا سب سے بڑی شرط ہے اور تقویٰ کی ساری شقیں دس شرائط بیعت میں ڈال دی گئی ہیں۔ آج ہم نے پھر سے ان شرائط کو غور سے پڑھنا ہے اور تجدید بیعت کرنی ہے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس قابل بنائے کہ ہم ان چیزوں پر عمل کریں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی جماعتوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔ نمازوں میں باقاعدگی پیدا کریں۔ اپنی جماعت کے لیے دعائیں کریں۔ ہم ارادہ کریں کہ ہم اس جماعت کے بچانے اور اس کی حفاظت کے لئے نمازوں میں اور کوشش کر کے تہجد کی نماز میں دعائیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، مغفرت مانگیں اور آنے والے دنوں میں اور آنے والی زندگی میں اس کی حفاظت اور رحم مانگیں۔ پچھلے دنوں ہم سن رہے تھے کہ کراچی کی طرف 15 فٹ اونچی لہریں آرہی ہیں اور سخت تیز ہوائیں بھی آرہی ہیں اور وہ وسیع پیمانے پر لوگوں کو بے گھر اور آبادیوں کو بہا لے جائیں گی۔ لیکن اب سننے میں آرہا ہے کہ کچھ کم ہو گئی ہیں۔ یہاں آتے آتے اللہ تعالیٰ فضل کر دے گا۔ اسی طرح ہم بھی یقین رکھیں کہ ہماری طرف یہ جو طوفان آرہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ ہمیں بچائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس جماعت کے صحیح اصولوں پر چلیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے اور ہماری مسجدوں کی، ہمارے بچوں کی، ہمارے بڑوں کی، ہماری خواتین کی اور جماعت کے ہر فرد کو جہاں جہاں بھی ہے، ان کی حفاظت فرمائے اور ہم اسلام کی اشاعت اور اس کی حفاظت کے کام کو اخلاص سے جاری رکھنے کی توفیق دے۔ (آمین)

☆☆☆☆

مختصر رپورٹ

انگریزی سے ترجمہ: امۃ السلام سیما، ایم ایس سی

حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز الازہری صاحب کا انڈونیشیا کا نو روزہ دورہ

حضرت امیر ایدہ اللہ نے انڈونیشیا جماعت کے تعلیمی بورڈ پیری کے ووکیشنل ٹریننگ کالج اور دیگر سکولوں کا بھی معائنہ کیا

محترم عامر عزیز صاحب، جنرل سیکرٹری، مرکزی احمدیہ انجمن، لاہور 21 اپریل 2010ء کو انڈونیشیا کے دارالخلافہ جکارتہ بذریعہ ہوائی جہاز پہنچے۔ جکارتہ میں ہمارے نہایت عالم بھائی ڈاکٹر نانگ اسکندر اور یوگ جکارتہ سے محترم بھائی ایوان یوسف استقبال کے لیے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ ان لوگوں کو ہوائی اڈہ پر تقریباً 6 گھنٹے انتظار کرنا پڑا کیونکہ حضرت امیر ایدہ اللہ کو آسٹریلیا سے آنا تھا اور وہ شام کے چھ بجے جکارتہ پہنچے۔ ان کے کمر میں چوک پڑی ہوئی تھی اور چلنے میں دشواری محسوس کر رہے تھے۔ جماعت کے مقتدر لوگوں نے سوچا کہ ان کی تکلیف کے پیش نظر طے شدہ پروگرام کو ملتوی کر دیا جائے۔ لیکن حضرت امیر ایدہ اللہ نے ہدایت کی کہ پروگرام کو جاری رکھا جائے۔ انھوں نے فرمایا کہ ان کی تکلیف کی وجہ سے پروگرام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ ہم سب انڈونیشیا جماعت کے صدر پروفیسر فتح الرحمٰن احمدی کو ملنے اور وہاں قیام کی غرض سے بینڈونگ کے لیے روانہ ہوگئے۔ تقریباً آدھی رات کو بینڈونگ پہنچے۔ لیکن اتنی رات کو بھی پروفیسر صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ جو ایک معروف ماہر قانون ہیں ہمارا انتظار کر رہے تھے اور انھوں نے بڑی گرمجوشی سے ہمارا استقبال کیا۔

بینڈونگ

اگلے دن یعنی 22 / اپریل کو مرکزی احمدیہ انجمن انڈونیشیا کے بورڈ کی میٹنگ تھی۔ بورڈ کے ممبران کے علاوہ جکارتہ سے ڈاکٹر نانگ اور یوگ جکارتہ سے محترم پروویادی علی صاحب اور ایم علی صاحب نے اس میٹنگ میں شرکت کی۔ اس میٹنگ میں مرکزی انجمن لاہور اور انڈونیشیا جماعت کے مابین اشتراک عمل اور مرکزی انجمن لاہور کا ان کے کئی منصوبوں کے لیے عملی تعاون کے بارے میں گفتگو ہوئی اور فیصلہ جات بھی ہوئے۔ اس دوران کتب کی طباعت، مبلغین کی تعلیم وتربیت اور دیگر امور پر تفصیل سے گفتگو ہوئی۔ اور پھر حضرت امیر ایدہ اللہ اور جنرل سیکرٹری لاہور کو دورے کی تفصیلات بتائی گئیں۔ اسی دن عامر عزیز الازہری صاحب نے ''اسلام علم کی ترویج کرتا ہے نہ کہ جہالت کی'' کے موضوع پر تقریر کی۔ آخر میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے مرکزی انجمن لاہور کی موجودہ سرگرمیوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اسی دن دوپہر کے کھانے کے بعد دونوں حضرات کو ''پرووکرتو'' شہر لے جایا گیا۔ جہاں ان کا دو دن قیام رہا۔ یہ سفر تقریباً 7 گھنٹے کا تھا اور یہ قافلہ نصف شب کو منزل پر پہنچا۔ اس دوران تیز بارش ہوتی رہی۔ اور راستہ بھی کافی مشکل تھا۔

پرووکرتو

اگلی صبح یعنی 22 / اپریل کو پیری تعلیمی بورڈ کے ووکیشنل ٹریننگ سکول گئے۔ اس کے پرنسپل محترم سارا یودہ صاحب نے ہمارا استقبال کیا۔ محترم بھائی لاہور میں دینی تعلیم حاصل کر چکے ہیں، وہ بحیثیت پرنسپل کے کافی اہم فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ سکول کے مختلف شعبوں مثلاً اوٹومیکینکس، کمپیوٹر، الیکٹرانک اور لائبریری کا معائنہ کروایا گیا۔ ان تمام شعبہ جات میں جدید ساز وسامان مہیا کیا گیا تھا۔ پھر انہیں سکول کے ہال میں لے جایا گیا۔ جہاں سکول کے اساتذہ اور طالب علم جمع تھے۔ پرنسپل صاحب نے دونوں کا تعارف کرایا اور پھر حضرت امیر ایدہ اللہ نے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے۔ آپ نے سامعین کو تلقین کی کہ وہ تعلیم، اسلام اور تحریک احمدیت کے فروغ کے لیے پورے خلوص اور محنت سے کام کریں۔ اس کے بعد محترم عامر عزیز الازہری صاحب نے کمپیوٹر کے ذریعہ تحصیل علم اور جہالت کو دور کرنے کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور رسول اکرم صلعم کے ارشادات پر مبنی تقریر کی۔ آخر میں ایک نہایت ہی دلچسپ سوال وجواب کا سلسلہ ہوا۔

وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس لیے حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز صاحب کو جماعت کی سب سے قدیم جامع میں نماز جمعہ ادا کرنے کا موقع ملا۔ نہایت محترم بھائی سارا یودہ صاحب نے ''مسجد سلام'' میں جمعہ

کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد جماعت کے سرکردہ لوگوں سے حضرت امیر ایدہ اللہ کا تعارف کروایا گیا اور آپ نے اس موقع پر ایک مختصر خطاب بھی کیا۔ وونوسوبو جماعت کے احباب بھی جمعہ کے اجتماع میں شرکت کے لیے آئے تھے۔ ان سے بھی ملنے کا موقع ملا اور باہم گفتگو ہوئی۔ پھر ایک اجلاس ہوا اس میں سوال وجواب بھی ہوئے۔

دن کے کھانے کے بعد لاہور کے وفد نے احباب جماعت کو الوداع کہا اور یوگ جکارتہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ یہ چھ گھنٹہ کا سفر تھا۔ راستہ انتہائی سبز اور خوبصورت تھا۔ وفد رات کے آٹھ بجے منزل پر پہنچا۔ وفد کے لیے گادا مادا یونیورسٹی کے نہایت آرام دہ ہوٹل میں قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔

24 اپریل یوگ جکارتہ

وفد کو پیری تعلیمی بورڈ کے عملہ اور ممبران کو خطاب کرنا تھا۔ محترم بھائی یاتمین صاحب جو کئی سال تک لاہور میں دینی تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ اور پھر انگریزی زبان میں مہارت کے لیے بھی ایک بار پاکستان آ چکے ہیں وہ خاص طور پر تشریف لائے تاکہ مترجم کا کام کر سکیں۔ انھوں نے یہ فریضہ نہایت احسن طریق پر نبھایا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے مرکزی انجمن لاہور کی سرگرمیوں کا کمپیوٹر کی مدد سے خاکہ پیش کیا اور عامر عزیز صاحب نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے عقائد اور دعاوی کے بارے میں تقریر کی۔ جسے حاضرین نے بے حد پسند کیا۔ اس کے بعد سوال وجواب کا سلسلہ بھی ہوا۔ اس کے فوراً بعد وفد کو مشرقی جاوا کے شہر پارے جانا تھا جو یوگ جکارتہ سے تقریباً آٹھ گھنٹے کا سفر تھا۔ اس سفر میں محترم بھائی علی یاسر صاحب جو ایک نہایت قابل استاد اور مبلغ ہیں اور محترم وقابل بھائی یاتمین صاحب وفد کے ساتھ تھے۔ یہ سفر کافی لمبا اور تھکا دینے والا تھا۔

وفد شام کے سات بجے پارے پہنچا وہاں جماعت کے ایک ممبر کے ہوٹل میں قیام کا انتظام تھا۔ ایک گھنٹہ کے آرام کے بعد پارے جماعت نے اسی ہوٹل کے ایک بڑے ہال میں ایک پروگرام کا اہتمام کیا تھا۔ اس پروگرام میں 300 سے زاید لوگوں نے شمولیت کی۔ پروگرام آٹھ سے رات دس بجے تک جاری رہنا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ پروگرام میں دلچسپی آتی گئی اور پروگرام رات 12 بجے جا کر ختم ہوا۔

پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا اور جماعت کے ایک معزز رکن نے تحریک احمدیت کے بارے میں تقریر کی اور ہمارا تعارف کروایا بعد میں حضرت امیر ایدہ اللہ نے ”تحریک احمدیت اور اس کی کامیابیوں“ کے موضوع پر پاور پوائنٹ کے ذریعہ تقریر کی۔ محترم عامر عزیز صاحب نے ”مسلمانوں کو درپیش مسائل اور ان کا حل قرآن کریم کی روشنی میں“ کے موضوع پر تقریر کی۔ محترم بھائی یاتمین صاحب نے نہایت قابلیت سے دونوں تقاریر کا انڈونیشی زبان میں ترجمہ کیا۔ محترم بھائی علی یاسر صاحب نے نہایت عمدگی سے سوالات کے جواب دیئے۔ اس لمبے پروگرام نے وفد کو کافی تھکا دیا۔ لیکن اس کی کامیابی نے ان کو ایک نیا عزم اور حوصلہ عطا کیا۔

اگلے دن وفد کی ملاقات پارے جماعت کے بورڈ کے ممبران سے تھی جنھوں نے متعدد سوالات کیے اور کئی مفید تجاویز بھی دیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ کو بتایا گیا کہ جماعت کے غیر احمدی مسلمانوں سے نہایت خوشگوار تعلقات ہیں اور گزشتہ شب کے جماعت کے اجلاس میں متعدد مقامی غیر احمدی لوگوں نے بھی شرکت کی تھی۔ ایک ننھی بچی نے سورۃ فاتحہ کی خوبصورت تلاوت کی اور اجلاس کا اختتام دعا کے ساتھ ہوا۔ اس کے بعد وفد شہر میں جماعت کا دفتر دیکھنے گیا۔ یہ ایک کافی بڑا دفتر تھا اور اس سے ملحقہ کافی وسیع جگہ بھی تھی جس کوئی ایک مفید منصوبوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ نہایت مفید دورہ تھا اور ہم وہاں کی جماعت کی سرگرمیوں سے بے حد متاثر ہوئے۔ اس کے بعد ہم آٹھ گھنٹہ سفر کر کے شام کے 7 بجے واپس یوگ جکارتہ پہنچے۔ رات کو ہوٹل میں آرام کیا۔

26 اپریل کی صبح کو ہمیں پیری کے پرائمری سکول لے جایا گیا۔ محترم بھائی مصلح صاحب اور ان کی بیٹی ہمارے ساتھ سکول گئے۔ بچے اور بچیوں کو نہایت منظم طریق پر قطاروں میں کھڑے دیکھا جو ایک نہایت خوبصورت منظر تھا۔ تمام طلباء نے ہم سے ہاتھ ملائے اور پھر نہایت منظم طریق پر واپس اپنی کلاسوں میں چلے گئے۔

سکول کے پرنسپل اور عملہ نے ہمارا استقبال کیا اور سکول کے مختلف شعبہ جات اور سیکشنز کو دکھایا۔ سکول کا تعلیمی معیار اور اساتذہ کی قابلیت اور کارکردگی قابل تعریف تھی۔ ایک سیکشن میں طلباء میوزک بجا رہے تھے اور پیری کے کمپوز کیے ہوئے نغمے گا رہے تھے۔ جسے دیکھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے بچوں کی لیاقت، شوق اور جذبے کو

بے حد سراہا اور سکول کی مزید کامیابیوں کے لئے دعا کی۔

اسی دن ہماری ایک بین الاقوامی تنظیم کے ممبران سے ایک سکول میں ملاقات ہوئی۔ اس میٹنگ میں عیسائیت، بدھ مت، ہندومت، صوفی ازم اور دوسرے مسلمانوں کے فرقوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔

اس تنظیم کے صدر ایک نہایت قابل مسلمان عبدالمھیمن صاحب تھے اور تحریک احمدیت کے بارے میں پورا علم رکھتے تھے اور ان کو جماعت کے دونوں فریقوں کے اختلافات کا بھی علم تھا۔ انھوں نے ہمیں خوش آمدید کہا اور گفتگو شروع ہوئی۔ انھوں نے اپنی تنظیم کا تفصیلی تعارف کروایا اور ان کوششوں سے متعارف کروایا جو وہ مختلف مذاہب اور فرقوں کو ایک پلیٹ فارم پر افہام وتفہیم کے ذریعہ لانے کے سلسلہ میں کرتے رہتے ہیں۔ مختلف مذاہب کے لیے ان لوگوں نے بین المذاہب رابطوں اور ان امور کا ذکر کیا جن پر اتفاق پیدا کرنے کے لیے اقدامات ہوسکتے ہیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ نے اس بارے میں احمدیہ نقطہ نگاہ پیش کیا اور نہایت ذہانت اور مہارت سے اس بارے میں اسلام کی تعلیمات اور ہدایات کا ذکر کیا جسے سامعین نے پسند کیا۔ محترم عامر عزیز صاحب نے بھی اس گفتگو میں حصّہ لیا۔ اس لحاظ سے یہ اجلاس نہایت مفید اور کامیاب رہا جس میں ہم اپنا نقطہ نگاہ ایک بڑے اچھے ماحول میں پیش کر سکے اور لوگوں کو اس کی سمجھ بھی آئی اور انھوں نے اس کو سراہا۔

27 اپریل

یوگ جکارتہ میں ہمارا آخری دن تھا۔ اس دن صبح 8.30 بجے ہمیں پیری تعلیمی بورڈ کے ایک اسکول کے طلباء کی ایک جماعت سے ملنا تھا اور تحریک احمدیہ پر ایک تقریر کرنا تھی۔ تقریر کے بعد طلباء نے سکول کا روایتی یونیفارم بطور یادگار تحفہ حضرت امیر ایدہ اللہ اور محترم عامر عزیز صاحب دونوں کو پیش کیا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے بڑی خوشی سے اس تحفہ کا شکریہ ادا کیا۔ سکول کی مزید کامیابیوں کے لیے دُعا کی جو کہ بچوں کو نہایت معیاری تعلیم وتربیت مہیا کر رہا ہے۔

دس بجے ہمیں وہاں کی جماعت کے ممبران، سکول کے عملہ اور مجلس انتظامیہ کے ممبران کو خطاب کرنا تھا۔ یہ اجتماع جامع دارالسلام میں ہوا۔ اس کا یہ نام حضرت امیر ایدہ اللہ نے ہی تجویز کیا تھا۔ کافی تعداد میں مرد اور خواتین موجود تھیں۔ محترم ایوان یوسف صاحب نے ہمارا تعارف کروایا اور تلاوت قرآن کریم سے کارروائی کا آغاز ہوا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے لوگوں سے خطاب کیا اور انڈونیشیا کی جماعتوں کے دورے کی غرض بتائی۔ انھوں نے بتایا کہ ہم یہ دورہ پہلے ہی کرنا چاہتے تھے لیکن احمدیوں کے خلاف ملک میں تحریک کی وجہ سے اس دورہ کو ملتوی کرنا پڑا، وہی دورہ اب کیا جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امتحان اور مشکلات کے وقت ہی ایمان کی مضبوطی اور استقامت دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں اسی مضبوطی اور آپس میں اتحاد اور اتفاق کو پروان چڑھانا ہے، اسی طرح جماعت ترقی کرے گی۔ اس کے بعد عامر عزیز الازہری صاحب نے پاور پوائنٹ کے ذریعہ آجکل مسلمانوں کو جن مسائل اور مشکلات کا سامنا ہے ان کا مقابلہ کرنے کے طریق پر قرآن کریم کی روشنی میں بتایا اور دس شرائط بیعت کی اہمیت کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ پاور پوائنٹ پر تقاریر کی تفصیلات کو کافی لوگوں نے غور سے سنا اور اس کے نوٹ لئے تاکہ مقامی زبان میں جماعت کے احباب تک پہنچا سکیں۔

حضرت امیر ایدہ اللہ نے نماز ظہر پڑھائی اور جماعت کی ترقی کے لیے دعا فرمائی۔ وفد نے انڈونیشیا کی ہر جماعت کو دعوت دی کہ وہ اپنے نوجوانوں کو لاہور بھیجیں تاکہ ان کو تحریک احمدیت کے بارے میں زیادہ تفصیلی معلومات فراہم کی جائیں اور ان کی اضافی تعلیم وتربیت ہو اور ہم ایسے لوگوں کو نہایت خوش دلی سے خوش آمدید کہیں گے۔ وفد نے محترم پور علی صاحب اور نہایت محترم بھائی یاتمین صاحب کا شکریہ ادا کیا جو ان کے ساتھ ہر جگہ رہے اور ان کی تقاریر اور گفتگو کو مقامی زبان میں ترجمہ کرنے کے فرض کو نہایت خوبی اور محنت سے ادا کیا۔ بعد از دوپہر ہم ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوگئے تاکہ جکارتہ جماعت سے ملاقات اور گفتگو ہوسکے۔

28 اپریل جکارتہ میں

حضرت امیر ایدہ اللہ اور عامر عزیز صاحب جکارتہ رات کے 8 بجے پہنچے۔ جماعت کے صدر محترم سولاردی صاحب، جنرل سیکرٹری امام عابدی صاحب اور جماعت کے نوجوانوں نے ان کا استقبال کیا اور رات کے کھانے کے لیے لے گئے اور پھر ایک ہوٹل میں لے گئے جہاں قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔

اگلے روز جکارتہ شہر کی سیر کرائی گئی اور جنوب مشرقی ایشیاء کی سب سے بڑی مسجد گئے جو مسلم فن تعمیر کی عظیم الشان مظہر ہے۔

بعد از دوپہر احمدیہ انجمن جکارتہ نے جلسہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے نماز عصر پڑھائی۔ اپنی تقریر میں آپ نے دونوں جماعتوں کے عقائد کے بارے میں تفصیل بیان کی۔ اور اس بات پر زور دیا کہ ہمیں لوگوں کو اس فرق کو واضح طور پر بتانا چاہئے اور اپنے الگ تشخص کی نشاندہی کرانی چاہئے۔ بعد میں عامر عزیز صاحب نے قرآن مجید کی روشنی میں زندگی کو کامیاب بنانے کے اصول بیان کیے، آخر میں سوال وجواب کا سلسلہ ہوا۔

اس موقع پر محترم انمر لان صاحب نے نہایت عمدگی سے مترجم کے فرائض ادا کیے۔ اس اجلاس میں انڈونیشی جماعت کے صدر محترم پروفیسر فتح الرحمٰن احمدی صاحب بینڈونگ سے شریک ہوئے تا کہ وہ حضرت امیر ایدہ اللہ اور عامر عزیز صاحب کو الوداع بھی کہہ سکیں۔ اسی دن ان کی 75 ویں سالگرہ بھی تھی۔ تمام احباب نے ان کو مبارکباد دی اور ان کی صحت اور درازی عمر کے لیے دعا کی۔

یہ دیکھ کر بھی خوشی ہوئی کہ سابق جنرل سیکرٹری انڈونیشیا جماعت محترم منصور بسوکی صاحب مرحوم کے بیٹے جماعت کی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ وہ اپنی فیملی کے ساتھ اس اجلاس میں شریک تھے۔ جکارتہ جماعت ایک نہایت ہی سرگرم جماعت ہے جس میں ہمارے نہایت عالم بھائی ڈاکٹر نانگ صاحب قابلیت سے اس کی رہنمائی کرتے ہیں اور انڈونیشی زبان میں ترجمہ کا کام بھی کرتے ہیں۔ رات کے دس بجے ہم واپس ہوٹل پہنچے اور سامان کو پیک کیا تا کہ دوسرے دن پاکستان کے لیے روانہ ہوسکیں۔ ہم صبح چھ بجے ایئرپورٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ ایئرپورٹ پر عامر عزیز صاحب کو حضرت امیر ایدہ اللہ کے جانے کے بعد تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران ان نوجوانوں سے گفتگو کرنے کا موقع ملا جو چھوڑنے آئے ہوئے تھے۔ سوال وجواب کا سلسلہ دو گھنٹے تک جاری رہا۔ جس میں سب نوجوانوں نے کافی دلچسپی لی۔

☆☆☆☆

انگریزی سے ترجمہ: اویس عامر۔ بی کام

میری سٹیونسن، امریکی شاعرہ

ساحل سمندر پر پاؤں کے نقوش

اللہ کا بندوں سے پیار

''ابتلاؤں اور تکالیف کے وقت میں تجھے اپنی بانہوں میں اٹھائے رکھتا تھا''

ایک رات ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ وہ ساحل سمندر پر خدا کے ساتھ چہل قدمی کر رہا ہے۔ آسمان پر اس کی زندگی کے واقعات بجلی کی روشنی میں نظر آرہے تھے۔ ہر ایک نظارے میں اس نے دیکھا کہ ریت پر پیروں کی جوڑی کے دو قسم کے نشانات نظر آرہے تھے۔ ایک جوڑی اس کے قدموں کی تھی اور دوسری خدا کی تھی۔ جب اس کی زندگی کا آخری منظر دکھائی دیا اور اس نے ریت پر پیروں کے نقوش کو دیکھا تو اس نے دیکھا کہ اکثر دفعہ اس کی زندگی کے راستے میں صرف ایک قسم کے پیروں کے نقوش تھے۔

اس نے یہ بھی دیکھا کہ ایسا اس وقت ہوا جبکہ اس کی زندگی کے حالات نہایت خراب اور صدمہ زدہ تھے۔ اس کو دیکھ کر اس کو فکر ہوئی اور اس نے اس بارے میں خدا سے پوچھا: ''اے خدا! تو نے تو کہا تھا کہ اگر میں ایک مرتبہ تیری تابعداری کرنے کا فیصلہ کرلوں تو تو ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہے گا۔ لیکن میں نے دیکھا ہے کہ زندگی کے انتہائی مشکل حالات میں صرف ایک ہی پیروں کی جوڑی کے نشان ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ایسا کیوں ہے جب مجھے تیری اشد ضرورت تھی تو تو نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔

خدا نے جواب دیا: ''میری جان سے پیارے بچے! میں تجھ سے پیار کرتا ہوں اور میں تیرا ساتھ کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ ابتلاؤں اور تکالیف کے وقت جب تم صرف ایک قسم کے پاؤں کے نشان دیکھتے ہو۔ اس وقت میں نے تجھے اپنی بانہوں میں اٹھائے ہوئے ہوتا تھا۔

☆☆☆☆

لیکچر ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کا تاریخی پس منظر

از: جسارت نذر رب ۔ ایم اے

یوم مسیح موعود کے موقع پر آج میں اپنے اس پیارے امام کا ذکر کروں گی جس کا ذکر حبیب کبریاؐ نے کیا اور فرمایا: ’’جب تم میرے مسیح موعودؑ کا ذکر سنو تو اس کو میرا اسلام پہنچانا، چاہے تمہیں برف کے تودوں پر گھٹنوں کے بل چل کر ہی کیوں نہ جانا پڑے‘‘

(کنزل العما: جلد۴ حدیث ۲۶۵)

سوال یہ ہے کہ رسول کریمؐ کی جانب سے حضرت مسیح موعودؑ کے لئے سلام کے کیا معنی ہیں؟ کیا یہ سلام کسی عام شخص کا سلام ہے کہ اس پر غور نہ کیا جائے۔ نہیں یہ ایک ایسا محبت بھرا القاب ہے جو حبیب خداؐ نے اپنے ۱۴ویں صدی کے خلیفہ کو عطا کیا۔ اسی لئے ہم حضرت مسیح موعودؑ کے ذکر کے ساتھ علیہ السلام کہتے ہیں تا کہ وہ روحانی خطاب جو رسول اللہؐ نے اپنے خلیفہ کو دیا وہ قائم و دائم رہے۔ دراصل اس روحانی نظام کو چلانے والے خدا نے انسانیت کی بقا کے لئے اور شریعت محمدی کو زندہ رکھنے کے لئے ہر تاریک دور میں ایسے شخص کو چنا جو اس شریعت کی من وعن پیروی کرنے والا اور رسول اکرمؐ کی تعلیمات کو اپنے رنگ میں رنگین کرنے والا ہو۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے موجودہ دور میں رسول اللہؐ کی نیابت میں اسلام کی دفاع میں اور عیسائیت اور ہندومت کے رد میں وہ خدمات کیں جو کسی اور کے حصّہ میں نہیں آئیں۔ اسلام کی سب سے بڑی خدمت تو اس کی اشاعت ہے۔ اس سلسلہ میں اگر ہم حضرت مرزا صاحب کی زندگی کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اسلام کی تائید میں کم و بیش ۸۴ گراں قدر اور پر معارف تصانیف فرمائیں۔ ان تصانیف میں سے ایک تصنیف کو ہم **’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘** کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔ اس مضمون کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ آیئے اس کی تفصیل جانتے ہیں۔

جلسہ مذاہب عالم کا انعقاد

ایک شخص سوامی سادھو شوگن چندر جو تین چار سال تک ہندوؤں کی گالستھ قوم کی اصلاح و خدمت کا کام کرتے رہے، انہیں خیال آیا کہ جب تک تمام مذاہب کے لوگ اکٹھے ہو کر اپنا اپنا نقطہ نظر پیش نہ کریں، کوئی قومی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ 1892ء میں انہوں نے ایک مذہبی جلسہ منعقد کیا جس کے لئے ہندوستان کے شہر اجمیر کو چنا۔ اس کے بعد اسی نوعیت کے مذہبی جلسہ کے لئے انہیں لاہور کی فضا موزوں نظر آئی۔ چنانچہ دسمبر 1896ء میں سوامی صاحب نے اس جلسہ اعظم مذاہب کے لئے مختلف مذاہب کے سربراہوں کو مدعو کیا کہ وہ اپنی اپنی مذہبی کتابوں میں سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ اس سلسلہ میں سوامی صاحب خاص طور پر حضرت اقدس کی خدمت میں قادیان میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ بھی اس کانفرنس میں حصّہ لیں۔ آپ نے بڑی خوشی سے اس کو منظور کیا کیونکہ اس قسم کی کانفرنس کی تحریک تو خود آپ ہی کی تھی۔ مگر آپ کا ہر کام نمود و نمائش سے بالا ہوتا تھا۔ اس لئے آپ نے اس شخص کی بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور اس کانفرنس کے انعقاد میں ہر طرح کی مدد دینے کا وعدہ فرمایا بلکہ اس کانفرنس کا پہلا اشتہار اس مجوز یعنی سوامی صاحب کو قادیان میں ہی چھاپ کر دیا۔ علاوہ ازیں اپنے ایک مرید کو بھی مقرر کیا کہ وہ ہر طرح سوامی صاحب کو اس کانفرنس کے انعقاد میں مدد دے۔ (مجدد اعظم جلد اوّل صفحہ ۴۴۴)۔

کارکنان جلسہ نے سرسید احمد صاحب کو بھی شریک جلسہ ہونے کے لئے درخواست کی مگر آپ نے مضمون بھیجنے یا شریک جلسہ ہونے سے کنارہ کشی فرمائی اور صاف لکھ دیا کہ وہ کوئی ناصح یا مولوی نہیں یہ کام واعظوں اور ناصحوں کا ہے (اخبار ’’جنرل وگوہر آصفی‘‘ کلکتہ ۲۴ جنوری

۱۸۹۷ء) ۔ اس مذہبی جلسہ اعظم مذاہب لاہور میں شمولیت کے لئے مختلف مذاہب کے نمائندوں نے سوامی صاحب کی دعوت قبول کی اور دسمبر 1896ء کے بڑے دن کی تعطیلات میں بمقام لاہور ایک جلسہ اعظم مذاہب منعقد ہوا۔ جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے کمیٹی جلسہ کی طرف سے اعلان کردہ پانچ سوالوں پر تقریریں کیں ۔ یہ سوال کمیٹی کی طرف سے شائع کردیئے گئے تھے اور ان کے جوابات کے لئے یہ شرط لگائی گئی تھی کہ تقریر کرنے والا اپنے بیان کو حتی الامکان اس کتاب تک محدود رکھے گا جس کو وہ مذہبی طور سے مقدس مان چکا ہے۔ سوالات یہ تھے۔

۱۔ انسان کی جسمانی، اخلاقی اور روحانی حالتیں

۲۔ انسان کی زندگی کے بعد کی حالت یعنی عقبیٰ

۳۔ دنیا میں انسان کی ہستی کی اصل غرض کیا ہے اور وہ غرض کس طرح پوری ہوسکتی ہے؟

۴۔ اعمال کا اثر دنیا اور عاقبت میں کیا ہوتا ہے؟

۵۔ علم یعنی گیان اور معرفت کے ذرائع کیا کیا ہیں؟

سوامی صاحب نے اس مذہبی جلسہ کے انتظامات کے لئے جو کمیٹی بنائی اس کے صدر ماسٹر درگاہ پرشاد اور سیکرٹری، چیف کورٹ لاہور کے ایک ہندو وکیل لالہ دھنپت رائے بی اے ایل ایل بی تھے۔ جلسہ کے لئے 26 تا 28 دسمبر 1896ء کی تاریخیں مقرر ہوئیں۔ اور جلسہ کی کارروائی کے لئے ذیل کے چھ ماڈریٹر یعنی جج صاحبان نامزد کئے گئے :

(۱) رائے بہادر بابو پرتول چند صاحب، جج چیف کورٹ، پنجاب۔

(۲) خان بہادر شیخ خدا بخش صاحب، جج سمال کاز کورٹ، لاہور۔

(۳) رائے بہادر پنڈت رادھا کشن صاحب، وکیل چیف کورٹ، سابق گورنر جموں۔

(۴) حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب بھیروی ۔ شاہی طبیب، جموں کشمیر

(۵) رائے بھوانی داس صاحب۔ ایم اے، ایکسٹرا اسسٹنٹ آفیسر، جہلم

(۶) جناب سردار جواہر سنگھ صاحب، سیکرٹری خالصہ کمیٹی، لاہور

سوامی شوگن چندر صاحب نے کمیٹی کی طرف سے جلسہ کا اشتہار دیتے ہوئے مسلمانوں، عیسائیوں اور آریہ صاحبان کو قسم دی ''کہ ان کے نامی علماء ضرور اس جلسہ میں شرکت کریں۔ اور اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ جلسہ کی غرض یہی ہے کہ سچے مذہب کے کمالات اور خوبیاں ایک عام مجمع مذاہبین میں ظاہر ہو کر اس کی محبت دلوں میں بیٹھ جائے اور اس کے دلائل و براہین کو لوگ بخوبی سمجھ لیں ۔ اور اس طرح ہر ایک مذہب کے بزرگ واعظ کو موقع ملے کہ وہ اپنے مذہب کی سچائیاں دوسروں کے دلوں میں بٹھا وے''۔ یہ تو تھا سوامی صاحب کا اشتہار۔

ایک عظیم الشان خوشخبری

خدا کی قدرت اب دوسری طرف دیکھئے کہ جلسہ کے انعقاد سے پہلے یعنی 21 دسمبر 1896ء کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنے مضمون کے غالب رہنے کے متعلق اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر ایک اشتہار شائع کیا۔ جس کی سرخی تھی ''سچائی کے طالبوں کے لئے ایک عظیم الشان خوشخبری''۔ آپ فرماتے ہیں: ''جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ٹاؤن ہال میں 26 تا 28 دسمبر 1896ء کو ہوگا اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارے میں پڑھا جائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اس کی تائید سے لکھا گیا ہے ۔ جو شخص اس مضمون کو اول تا آخر پانچوں سوالوں کے جواب سنے گا۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ایک نیا ایمان اس میں پیدا ہوگا۔ اور ایک نیا نور اس میں چمک اٹھے گا۔ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔ اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قوموں کے مذاہب میں ناپید ہے۔ میں نے عالم کشف میں اس کے متعلق دیکھا ہے کہ میرے محل پر غیب سے ایک ہاتھ مارا گیا۔ اور اس ہاتھ کے چھونے سے اس محل میں سے ایک نور ساطع نکلا جو اردگرد پھیل گیا۔ اور میرے ہاتھوں پر بھی اس کی روشنی پڑی۔ تب ایک شخص جو میرے پاس کھڑا تھا وہ بلند آواز سے بولا اللہ اکبر خَرِبت خَیبَر اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس محل سے مراد میرا دل ہے اور وہ نور قرآنی معارف ہیں اور خیبر سے مراد تمام خراب مذاہب ہیں۔ سو مجھے جتلایا گیا کہ اس مضمون کے پھیلنے کے بعد

جھوٹے مذہبوں کا جھوٹ کھل جائے گا۔ اور قرآنی سچائی دن بدن زمین پر پھیلتی جائے گی۔ پھر اس کشفی حالت سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے یہ الہام ہوا۔ ''یعنی خدا تیرے ساتھ ہے اور خدا وہیں کھڑا ہوتا ہے جہاں تو کھڑا ہو۔'' یہ حمایت الٰہی کے لئے ایک استعارہ ہے۔ اب میں زیادہ نہیں لکھنا چاہتا۔ ہر ایک کو یہی اطلاع دیتا ہوں کہ اپنا حرج بھی کر کے ان معارف کے سننے کے لئے ضرور بمقام لاہور تاریخ جلسہ پر آویں کہ ان کی عقل و ایمان کو اس سے وہ فائدے ہوں گے کہ وہ گمان بھی نہیں کر سکتے۔

والسلام

خاکسار مرزا غلام احمد قادیانی

21 دسمبر 1896ء

اس جلسہ میں جو 26 دسمبر سے 29 دسمبر تک ہوا۔ سناتن دھرم۔ ہندوازم۔ آریہ سماج۔ فری تھنکر۔ برہمو سماج۔ تھیوسوفیکل سوسائٹی۔ ریلیجن آف ہارمنی۔ عیسائیت۔ اسلام اور سکھ ازم کے نمائندوں نے تقریریں کیں۔ لیکن ان تمام تقاریر میں سے صرف ایک ہی تقریر ان سوالات کا حقیقی اور مکمل جواب تھی۔ جس وقت یہ تقریر حضرت مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحب نہایت خوش السحانی سے پڑھ رہے تھے۔ اس وقت کا سماں بتایا نہیں جا سکتا۔ کسی مذہب کا کوئی شخص نہیں تھا جو بے اختیار تحسین و آفریں کا نعرہ بلند نہ کر رہا ہو۔ کوئی شخص نہ تھا جس پر وجد اور محویت کا عالم طاری نہ ہو۔ طرز بیان نہایت دلچسپ اور ہر دلعزیز تھا۔ اس سے بڑھ کر اس مضمون کی خوبی کی اور کیا دلیل ہوگی کہ مخالفین تک عش عش کر رہے تھے۔ مشہور و معروف انگریزی روزنامہ اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ، لاہور نے باوجود عیسائی ہونے کے صرف اسی مضمون کی اعلیٰ درجہ کی تعریف لکھی۔ یہ انگریزی اخبار لکھتا ہے کہ ''اس جلسہ میں سامعین کی دلی اور خاص دلچسپی مرزا غلام احمد قادیانی کے لیکچر کے ساتھ تھی جو اسلام کی حفاظت میں ماہر کامل ہیں۔ اس لیکچر کے سننے کے لئے دور و نزدیک سے مختلف فرقوں کا ایک جم غفیر امڈ آیا تھا۔ اور چونکہ مرزا صاحب خود تشریف نہیں لا سکے تھے، اس لئے یہ لیکچر ان کے ایک لائق شاگرد منشی عبدالکریم سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔ 27 دسمبر کو یہ لیکچر تین گھنٹہ تک ہوتا رہا۔ اور عوام الناس نے نہایت ہی خوشی اور توجہ سے سنا۔ لیکن ابھی صرف ایک سوال ختم ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب نے وعدہ کیا کہ اگر وقت ملا تو باقی حصّہ بھی سنا دوں گا۔ اس لئے مجلس انتظامیہ اور صدر نے یہ تجویز منظور کر لی کہ 29 دسمبر کا دن بڑھا دیا جائے۔'' (ترجمہ)

اخبار ''چودھویں صدی'' (راولپنڈی) نے حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اس لیکچر پر اس طرح تبصرہ کیا:

''ان لیکچروں میں سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا۔ جس کو مشہور فصیح اللسان مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحب نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے پڑھا۔ یہ لیکچر دو دن میں تمام ہوا۔ 27 دسمبر قریباً چار گھنٹے اور 29 دسمبر کو دو گھنٹے تک ہوتا رہا۔ کل چھ گھنٹے میں یہ لیکچر تمام ہوا۔ جو حجم میں 100 صفحے کلاں تک ہوگا۔ غرضیکہ مولوی عبدالکریم صاحب نے یہ لیکچر شروع کیا اور ایسا شروع کیا کہ تمام سامعین لٹو ہو گئے۔ فقرہ فقرہ پر صدائے آفرین و تحسین بلند تھی اور بسا اوقات ایک ایک فقرہ کو دوبارہ پڑھنے کے لئے حاضرین کی طرف سے فرمائش کی جاتی تھی۔ عمر بھر ہمارے کانوں نے ایسا خوش آئند لیکچر نہیں سنا۔ دیگر مذاہب میں سے جتنے لوگوں نے لیکچر دئے ان میں جاندار بات کوئی نہیں تھی، سوائے مرزا صاحب کے لیکچر کے جو ان سوالوں کا علیحدہ علیحدہ مفصل اور مکمل جواب تھا۔ جس کو حاضرین جلسہ نے نہایت توجہ اور دلچسپی سے سنا۔

ہم مرزا صاحب کے مرید ہیں اور نہ ان سے ہم کو کوئی تعلق ہے لیکن انصاف کا خون ہم کبھی نہیں کر سکتے۔ مرزا صاحب نے کل سوالوں کے جواب جیسا کہ مناسب تھا قرآن شریف سے دیئے۔ اور تمام بڑے بڑے اصول اور فروعات اسلام کو دلائل عقلیہ سے اور براہین فلسفہ کے ساتھ مزّین کیا۔ پہلے عقلی دلائل سے الہانیت کے مسئلہ کو ثابت کرنا اور اس کے بعد کلام الٰہی کو بطور حوالہ پڑھنا ایک عجیب شان دکھاتا تھا۔

مرزا صاحب نے نہ صرف مسائل قرآن کی فلاسفی بیان کی بلکہ الفاظ قرآن کی فلالوجی اور فلاسفی بھی ساتھ ساتھ بیان کر دی۔ غرضیکہ

مرزا صاحب کا لیکچر بحیثیت مجموعی ایک مکمل اور حاوی لیکچر تھا۔جس میں بے شمار معارف وحقائق حکم واسرار کے موتی چمک رہے تھے۔اور فلسفہ الٰہیہ کو ایسے ڈھنگ سے بیان کیا گیا تھا کہ تمام اہل مذاہب ششدر رہ گئے تھے۔کسی شخص کے لیکچر کے وقت اتنے آدمی جمع نہیں تھے جتنے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت۔تمام ہال اوپر نیچے سے بھرا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش تھے۔ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت اور دیگر مقررین کے لیکچروں کے امتیاز کے لئے اس قدر کہنا کافی ہے کہ مرزا صاحب کے لیکچر کے وقت خلقت اس طرح آ آ کر گری جیسے شہد پر مکھیاں۔مگر دوسرے لیکچروں کے وقت بے لطفی کی وجہ سے بہت سے لوگ بیٹھے بیٹھے اٹھ جاتے تھے۔مولوی محمد حسین بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی سا تھا۔وہی ملاؤں جیسے خیالات جن کو ہم لوگ ہر روز سنتے ہیں۔اس میں کوئی نئی بات نہ تھی۔ مولوی صاحب کے دوسرے لیکچر کے دوران تو بہت سے لوگ اٹھ کر چلے گئے تھے۔یہاں تک کہ مولوی صاحب کو اپنا لیکچر پورا کرنے کے لئے مزید چند منٹ بھی نہ ملے۔''

(اخبار چودھویں صدر، راولپنڈی۔
یکم فروری 1897ء)

اخبار''جنرل و گوہر آصفی'' کلکتہ نے ۲۴ جنوری ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں جلسہ اعظم منعقدہ لاہور''فتح اسلام'' کے دوہرے عنوان سے لکھا''اس جلسہ اعظم مذاہب میں اسلامی وکالت کے لئے سب سے زیادہ لائق کون تھا۔ ہمارے ایک معزز نامہ نگار صاحب نے سب سے پہلے خالی الذہن ہو کر اور حق کو مدنظر رکھ کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان کو اپنی رائے میں منتخب فرمایا تھا''۔اس کے علاوہ اخبار لکھتا ہے کہ''جلسہ کی کارروائی سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ صرف حضرت مرزا غلام احمد رئیس قادیان تھے جنہوں نے اس میدان مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا اور اس انتخاب کو راست کیا جو خاص آپ کی ذات کو اسلامی وکیل مقرر کرنے میں پشاور، راولپنڈی، جہلم، شاہ پور، بھیرہ، خوشاب، سیالکوٹ، جموں، وزیرآباد، لاہور، امرتسر، گورداسپور، لدھیانہ، شملہ، دہلی، انبالہ ریاست پٹیالہ، ڈیرہ دون، الہ آباد، مدارس، بمبئی، حیدرآباد دکن، بنگلور وغیرہ بلاد ہند کے مختلف اسلامی فرقوں سے وکالت ناموں کے ذریعہ مزین بدستخط ہو کر وقوع میں آیا تھا۔حق تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت وندامت کا قشقہ (تماشہ) لگتا۔مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اس کو اس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین مخالفین بھی فطری جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا رہا، بالا رہا۔

اگرچہ جلسہ اعظم کی رو سے سارے ہندوستانی کانگرسوں اور کانفرنسوں کو مات کر دیا۔یہ مضمون پہلے''رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب'' لاہور میں من وعن شائع ہوا اور پھر جماعت احمدیہ کی طرف سے''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کے عنوان کے تحت کتابی صورت میں اس کے کئی ایڈیشن اردو اور انگریزی میں شائع ہو چکے ہیں۔علاوہ ازیں اس کا ترجمہ فرانسیسی، ڈچ، سپینش، عربی، جرمن وغیرہ زبانوں میں بھی شائع ہو چکا ہے اس پر بڑے بڑے فلاسفروں اور غیر ملکی اخبارات و رسائل کے ایڈیٹروں نے بھی نہایت عمدہ ریویو لکھے۔اور مغربی مفکرین نے اس لیکچر کو بے حد سراہا۔مثلاً

''برسٹل ٹائمز اینڈ مرر'' نے لکھا: ''یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں یورپ و امریکہ کو مخاطب کرتا ہے کوئی معمولی آدمی نہیں ہوسکتا''۔

''تھیوسوفیکل بک نوٹس'' نے لکھا: ''یہ کتاب محمدؐ کے مذہب کی بہترین اور سب سے دلکش تصویر ہے''

''سپریچوئل جنرل'' بوسٹن نے لکھا: ''یہ کتاب بنی نوع انسان کے لئے ایک خالص بشارت ہے''

''انڈین ریویو'' نے لکھا: ''اس کتاب کے خیالات روشن جامع اور حکمت سے پر ہیں اور پڑھنے والے کے منہ سے بے اختیار اس کی تعریف نکلتی ہے۔''

اس مضمون کی خوبی یہ ہے کہ اس میں کسی مذہب پر حملہ نہیں کیا گیا بلکہ محض اسلام کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔سوالات کے جوابات قرآن مجید ہی سے دئے گئے ہیں اور ایسے طور پر دئے گئے ہیں کہ جن سے اسلام کا تمام مذاہب سے اکمل احسن اور اتم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

(روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۱۷،۱۸)

مرتب: طارق احمد

آہ! چوہدری عبدالحمید صاحب

چوہدری عبدالحمید صاحب مرحوم و مغفور چناب کے کنارے ضلع سرگودھا کے ایک دور افتادہ گاؤں ''ادرحمہ'' تحصیل بھلوال تھانہ کوٹ مومن کے ایک علمی اور بااثر جٹ پڑھیار گھرانہ میں 1928ء کو پیدا ہوئے۔ والد صاحب چوہدری محمد بخش مرحوم انگریزی دور میں گرداور قانونگو کے طور پر ملازمت کرتے تھے جو بعد میں تحصیلدار ہو کر ریٹائر ہوئے۔ تایا میاں دل احمد صاحب ڈپٹی کمشنر تھے۔ والدہ ماجدہ عصمت بی بی حضرت مولوی شیر علی صاحب مرحوم کی ہمشیرہ تھیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت مسیح موعودؑ نے خود رکھا تھا اور جب بھی حضرت مسیح موعودؑ سے ملنے جاتیں تو حضرت اقدس ان سے پیار کرتے اور فرماتے یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ والدہ کا تعلق رانجھا فیملی سے تھا۔ چوہدری صاحب پانچ بہن بھائی تھے۔ بڑے بھائی ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر تھے۔ تین ہمشیرگان تھیں۔

چوہدری صاحب اور بچوں کو ان کے والدین بچپن میں ہی قادیان لے گئے تا کہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی حاصل کر سکیں۔ چوہدری صاحب اسکول کے زمانہ سے ہی کھیلوں میں کافی دلچسپی رکھتے تھے۔ لہٰذا تعلیم کے ساتھ کھیلوں میں بھی حصّہ لیتے رہے۔ ویسے تو وہ اتھلیٹکس بھی بہت شوق سے کھیلتے تھے۔ سو میٹر، تین سو میٹر دوڑ۔ ہاف سٹیپ اینڈ جمپ، جیولن تھرو میں بہت سے میڈلز حاصل کئے۔ لیکن پھر ساتھ ہی اس زمانہ کی مقبول ترین کھیل کبڈی میں اپنی طاقت اور رفتار کے لئے یاد رہیں گے۔ یہ کھیل قادیان سے شروع کی پھر بعد میں امرتسر، گورداسپور، سرگودھا، ربوہ اور مختلف جگہوں پر پنجاب میں نام پیدا کیا۔ اس دور میں بڑے سے بڑا کھلاڑی بھی ان کا نام سن کر پریشان ہو جاتا۔ جہاں بھی ٹورنامنٹ ہوتا چوہدری صاحب کی قد آدم تصاویر پوسٹروں کی زینت بنتی۔ ان کی کبڈی کو دیکھنے کے لئے شائقین بہت بڑی تعداد میں جمع ہو جاتے۔ سپیکر پر اعلان ہوتا اور ڈھول کی تھاپ پر جب چوہدری صاحب جھپٹتے تو تالیوں اور نعروں کی گونج ان کے ہمراہ جاتی۔ ان کی کبڈی کا ایک خاص سٹائل جو مقبول ہوا وہ یہ تھا کہ مخالف ٹیم میں سب سے طاقتور کھلاڑی کے اوپر سے چھلانگ لگا کر پار کرنا اور پھر ڈنڈ مار کر گرانا۔ دوڑتے وقت اکثر مونہہ میں رومال رکھ کر دوڑتے تھے۔ ربوہ میں ایک دفعہ ٹورنامنٹ کے دوران انہوں نے اتنا خوبصورت کھیل پیش کیا کہ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب نے سٹیج سے اتر کر ان کو گلے لگا لیا۔ سر عمر حیات ٹوانہ کی ٹیم ہندوستان کی بہت مضبوط ٹیم تھی اس کے ساتھ بھی کھیلنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ غرض اسی خداداد طاقت کی وجہ سے لوگ انہیں ''ڈاہڈا'' کے نام سے بلانے لگے۔ آپ جوانی میں خوش شکل۔ خوش لباس اور خوش گفتار شخصیت کے مالک تھے۔ بچپن ہی سے احمدیہ جماعت کے شیدائی تھے۔ ان کی والدہ بچپن سے ہی انہیں مولوی کہہ کر بلاتی تھیں۔

چوہدری صاحب کی شادی 11 اپریل 1954ء میں کوٹ ملک رحمت خان کے انتہائی بااثر، معزز زمیندار گھرانہ میں ملک شیر محمد صاحب اعوان (رئیس کوٹ ملک رحمت خان) کی چھوٹی صاحبزادی محبوب فاطمہ سے ہوئی۔ ملک صاحب برطانوی دور میں کرسی نشین تھے۔ ملک شیر محمد صاحب کے دادا ملک رحمت خان اور سردار شوکت حیات کے والد سردار احمد خان نے سکھوں کے خلاف جنگ میں ایک مورچہ میں جنگ لڑی اور اس دلیری کی وجہ سے انہیں چالیس مربع زمین (ایک گاؤں) کوٹ رحمت خان انعام میں ملا۔ ملک شیر محمد صاحب مرحوم اپنے ذاتی مطالعہ کی وجہ سے احمدیہ جماعت سے منسلک ہوئے اور اپنی بھاری برادری میں سے واحد احمدی ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ جماعت کی خاطر ہر قربانی دی اور دکھ برداشت کئے۔ بعد میں انہی کی تبلیغ اور کردار کی وجہ سے پورا گاؤں احمدی جماعت میں شامل ہو گیا۔

1956ء میں چوہدری عبدالحمید صاحب نے قادیان جماعت کی ''فرقان فورس'' میں بطور کمپنی کمانڈر شامل ہوکر کشمیر کی جنگ میں حصّہ لیا۔ بڑی جوانمردی سے اپنے مورچے پر ڈٹے رہے اور دشمن کے مورچوں پر حملے کرتے رہے۔ چوہدری صاحب اس قدر مقبول تھے کہ دوران جنگ جب مرزا بشرالدین محمود احمد صاحب کو اطلاع ملی کہ عبدالحمید شہید ہوگیا ہے تو وہ بہت دکھ کا اظہار کرتے رہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ حمید کوئی اور تھا۔

عبدالحمید صاحب نے جب جماعت قادیان کے عقائد کو غلط پایا تو فکرمند ہوئے۔ پہلے تو بغیر سوچے سمجھے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرتے۔ مگر جب ان کے عقاید اور خطبات سنے تو بہت پریشان ہوئے۔ جب چوہدری صاحب نے حضرت مرزا غلام احمدؒ صاحب، بانی سلسلہ کے عقاید کو بغور پڑھا تو نظریاتی اختلاف کی وجہ سے علیحدگی اختیار کرلی۔ عبدالحمید صاحب نے اس مشکل وقت میں دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کے عہد کو خوب نبھایا۔ الغرض ساری زندگی حضرت مسیح موعودؑ کو سچا ثابت کرنے کے لئے تڑپتے رہے۔ وفات مسیح اور حیات مسیح کے متعلق لوگوں کو تبلیغ کی۔

کچھ عرصہ بعد دوستوں سے مل کر ''حقیقت پسند'' پارٹی کی بنیاد رکھی جس کی پہلی میٹنگ عبدالرب برہم خان صاحب کے گھر پیپلز کالونی فیصل آباد میں ہوئی۔ پارٹی کا مرکزی دفتر عزیز ولا بلڈنگ کرشن نگر لاہور میں بنایا گیا۔ اسی پارٹی نے احمدیت کا اصل چہرہ اور تحریک احمدیت کے صحیح عقاید کو واضح کیا۔ ان کے بیانات کو اخبارات نے بھی کوریج دی۔

ویسے تو عبدالحمید صاحب کی زندگی کے بے شمار واقعات ہیں۔ ان کے جوانی کا ایک واقع یہ تھا کہ تقسیم ہندوستان کے وقت جب قادیان خالی ہوگیا۔ اور چوہدری صاحب ٹھیکری والا میں سکھوں کے خلاف ایک مورچہ میں مقابلہ کررہے تھے۔ وہ انتہائی خطرناک مورچہ تھا جہاں انہوں نے دیگر ساتھیوں کے ساتھ مل کر سکھوں کے جتھے کی مزاحمت کی اور قادیان کا دفاع کیا۔ وہیں ان کو اطلاع ملی کہ قادیان کے محلّہ دارالفضل کے ایک مکان میں بہت سی احمدی عورتوں اور لڑکیوں کو روک کر بند کر دیا گیا ہے تا کہ ان کی بے حرمتی کریں۔ شہر میں ہر طرف کرفیو لگا ہوا تھا۔ فوج گشت کررہی تھی اور خوف و ہراس کا سماں تھا۔ عبدالحمید صاحب نے یہ سن کر بڑی ولولہ انگیز تقریر کی اور دوستوں کے ساتھ اسلحہ لہراتے ہوئے شہر کے اندر داخل ہوگئے اور کرفیو کو توڑتے ہوئے سیدھے اس مکان پر پہنچے اور عورتوں کو وہاں سے نکال کر لاہور تک پہنچانے کا بندوبست کیا۔ اور اس طرح مستورات بحفاظت گھر پہنچ گئیں۔ ایک دفعہ چوہدری صاحب یہ واقع سنا رہے تھے اور کہنے لگے کہ شاید یہ واقعہ روز محشر میری بخشش کا باعث بنے۔

سانگلہ ہل میں ایک دفعہ ایک ڈی۔ایس۔پی نے چوہدری صاحب کو ایک چوری کے کیس میں پھنسانے کی کوشش کی اور کہا کہ میں آپ کے خلاف پرچہ درج کررہا ہوں اور اس کیس میں آپ کی ضمانت نہ ہو سکے گی۔ پرچہ درج کرنے کے چند روز بعد وہ خود قتل ہوگیا۔ چوہدری صاحب کو قتل کیس میں شامل تفتیش کرنے کے لئے تھانہ لے گئے تو ڈی۔ایس۔پی صاحب نے یہ کہہ کر فوراً واپس گھر بھجوا دیا کہ یہ شریف انسان ہیں میں خود ان کی ضمانت دیتا ہوں۔

چوہدری صاحب ہر وقت باوضو رہا کرتے تھے۔ تہجد گزار انسان طبعاً انتہائی ملنسار، نرم دل، نیک سیرت اور شب بیدار انسان تھے۔ جو بھی ایک دفعہ ان سے ملتا پھر انہی کا ہوکر رہ جاتا۔ احمدیت کو قبول کرنے سے ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے مگر ہر بار ان کو ثابت قدم پایا۔ سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: ''کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ وہ ایمان لائے اور وہ مصائب میں نہ ڈالے جائیں گے۔''

جب اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی جماعت اعلیٰ اخلاق کی پیدا ہو جو دوسرے انسانوں کے لئے ہادی راہ بنے تو ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک گروہ ان کے مقابلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو طرح طرح کے مظالم اور ایذارسانیوں سے اہل حق کو حق سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اول تو ان لوگوں کے اخلاص پر مہر لگ جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ دنیوی لالچ سے یہ لوگ جمع نہیں ہوتے۔ دوسرے ان میں عزم واستقلال اور ثبات کے اعلیٰ اخلاق ظہور پذیر ہوکر ان کو کمالِ انسانی تک پہنچائیں۔ کیونکہ جب تک انسان مصائب میں نہیں پڑتا اس وقت تک اس کے اخلاق کی تکمیل نہیں ہوتی اور نہ ان میں پختگی آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جس قدر اخلاق کے معلم ہوئے ہیں ان کو سب سے بڑھ کر مصائب و مشکلات میں ڈالا گیا۔ اور تیسرے اللہ تعالیٰ دکھانا

چاہتا ہے کہ انسانی طاقتیں اس پودہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ جسے خدا کا ہاتھ لگا تا ہے۔

چوہدری صاحب کو جن حضرات سے بے پناہ عقیدت تھی ان میں حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ، حضرت مولانا صدر الدین صاحبؒ، خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خانؒ صاحب اور حضرت ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب موجودہ امیر قوم تھے۔ آپ کچھ عرصہ تک چنیوٹ میں بطور مبلغ پھر احمدیہ بلڈنگس، راولپنڈی، لاہور اور زندگی کے آخری ایام میں راولپنڈی میں بطور امام فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پھر عارضہ قلب میں مبتلا ہوگئے۔ 23 جون 2008ء کو خون کی قے ہوئی بلال ہسپتال داخل ہوئے اور 25 جون 2008ء کی صبح 5:15 پر کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ''بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

چوہدری صاحب عربی فاضل تھے۔ عربی اور فارسی پر عبور حاصل تھا۔ مرحوم کے خطبات اور خصوصاً جلسہ سالانہ کی تقاریر انتہائی پرجوش اور پراثر ہوا کرتی تھیں۔ اب محترم عبدالحمید صاحب وہاں ہیں جہاں صرف ہماری دعائیں ہی پہنچ سکتی ہیں۔ وہ علم دوست اور محفل کی رونق تھے۔ خوش کلام، خوب سیرت اور ہمدرد انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی رحمتیں اور مغفرت نازل فرمائے اور ان کی اولاد کو جماعت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

☆☆☆☆

انگریزی سے ترجمہ: اویس عامر۔ بی کام

زندگی کی حقیقت کے متعلق ایک انتہائی مختصر خطاب

گھر والوں، دوستوں، صحت اور روحانی جذبہ کی قدر کریں

بریان ڈیسن (سابق سی۔ای۔او۔ کوکا کولا)

کسی چیز کی تبھی قدر ہوتی ہے جب اس کی قدر کی جائے۔

زندگی کو ایک کھیل تصور کریں جس میں آپ پانچ گیندوں کو ہوا میں اچھال رہے ہیں۔ یہ گیندیں کام، گھر کے لوگ، دوست، صحت اور روحانی جذبہ ہیں اور آپ نے اس سب کو ہوا میں اچھالتے رکھنا ہے۔ جلد ہی آپ یہ سمجھ جائیں گے کہ کام ایک ربڑ کی گیند کی مانند ہے۔ اگر آپ اس کو گرا دیں گے تو یہ اچھل کر واپس آجائے گی۔ لیکن باقی چار گیندیں گھر کے لوگ، دوست، صحت اور روحانی جذبہ شیشے کی گیندیں ہیں۔ اگر آپ نے ان میں سے ایک کو بھی گرا دیا تو وہ خراب ہو جائے گی، اس میں مستقل گھڑا سا بن جائے گا یا دراڑ آجائے گی یا ٹوٹ جائے گی یا پھر بالکل بکھر جائے گی۔ اور وہ پھر کبھی بھی پہلے جیسی نہیں رہے گی۔ آپ کو یہ حقیقت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے اور اس کے لئے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

دفتری اوقات میں محنت سے کام کریں، وقت پر چھٹی کریں۔ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو پورا وقت دینے کی کوشش کریں اور صحیح طریق پر آرام بھی کریں۔

مختصر حالات زندگی

مرتب: ناصر احمد

ایک بیباک صحافی اور حضرت مسیح کی کشمیر میں آمد اور وفات کے موضوع پر مستند و معروف محقق

محترم عبدالعزیز کشمیري، باني و ایڈیٹر روزنامه "روشني"، سري نگر وفات پاگئے

محترم عبدالعزیز کشمیری 10/ جون 1919 کو سری نگر، کشمیر میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے 1932 میں لاہور احمدیہ تحریک میں شمولیت اختیار کی اور ہفتہ وار ''پیغام صلح'' اور انگریزی میں ہفتہ وار ''لائٹ'' کے خریدار بنے۔1938 میں 19 سال کی عمر میں انھوں نے اپنی صحافت کی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہفتہ وار ''البرق'' کے عملہ میں شمولیت سے کیا۔ اس اخبار کے مدیر سری نگر کے معروف وکیل مرحوم مولوی محمد عبداللہ صاحب کے صاحبزادے مولوی محمد صابر صاحب تھے۔ کچھ عرصہ تک انھوں نے ہفتہ وار ''خالصہ گزٹ'' میں بھی کام کیا جس کے مالک سردار گورپورب سنگھ تھے۔ عبدالعزیز صاحب کی صحافتی قابلیت سے متاثر ہو کر پنڈت پریم ناتھ بزاز نے جو معروف روزنامہ ''وتاستہ'' کے مدیر، منجھے ہوئے صحافی اور قابل مضمون نگار تھے۔ انھوں نے ان کو ''کشمیر پریس کانفرنس'' کا سیکرٹری نامزد کر دیا۔1944 میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر قائداعظم محمد علی جناح سری نگر تشریف لائے تو پنڈت بزاز صاحب نے عبدالعزیز شورہ صاحب کو ہدایت کی کہ وہ قائداعظم کو ملیں اور انھیں کشمیر پریس کانفرنس کے صحافیوں سے خطاب کرنے کی دعوت دیں۔

جناح صاحب نے دعوت قبول کرتے ہوئے ذیل کا جواب تحریر کیا:

کوشک، نزد نشاط، سری نگر، 20 مئی 1944

مجھے آپ کا 16 مئی کا خط ملا۔ مجھے مقامی صحافیوں سے مل کر بے حد خوشی ہوگی جس کی آپ نے خواہش ظاہر کی ہے۔ اگر آپ لوگ میری رہائش گاہ پر آسکیں جو سری نگر شہر سے کافی دور ہے۔ اگر آپ سب کے لیے آسانی سے یہ ممکن ہو سکے تو مجھے آپ سب کو 23 مئی کو 11 بجے دن کے مندرجہ بالا پتہ پر ملاقات کر کے خوشی ہوگی۔

آپ کا مخلص

ایم ۔ اے جناح

سری نگر کے سرکردہ صحافیوں کا ایک وفد قائداعظم کی رہائش گاہ پر ان سے ملا۔ اور ان سے مختلف قسم کے سوالات کیے۔ جناب عبدالعزیز صاحب نے ان سے سوال کیا کہ کون آل انڈیا مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔ اس پر ایم۔ اے صابر، ایڈیٹر ''البرق'' نے سوال کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اس سوال کے پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ احمدیوں کو کشمیر مسلم کانفرنس کا ممبر بننے سے روک دیا گیا ہے۔ جو کہ ایک سیاسی تنظیم ہے۔ جناح صاحب مسکرائے اور انھوں نے ذیل کا جواب دیا:

''مجھ سے ایک مشکل سوال کیا گیا ہے جس پر بارہا گفتگو ہو چکی ہے کہ مسلمانوں میں سے کون آل انڈیا مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے۔ میرا جواب یہ ہے کہ جہاں تک آل انڈیا مسلم لیگ کے آئین کا تعلق ہے، کوئی بھی مسلمان بلا لحاظ اس کے عقیدہ یا فرقہ کے مسلم لیگ کا ممبر بن سکتا ہے بشرطیکہ وہ لیگ کے عقائد، پالیسی اور پروگرام سے اتفاق کرتا ہو۔ وہ اس کے فارم کو پُر کر کے اس پر دستخط کر دے اور دو آنے چندہ ادا کرتا ہو۔ میں

جموں اور کشمیر کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ایسے فرقہ وارانہ سوالات نہ اُٹھائیں اور سب کے سب ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ مسلمانوں کی کامیابی اتحاد میں ہے اور یہی وہ موثر طریق ہے جس کے ذریعہ سیاسی، سماجی اور معاشی میدان میں مسلمان ترقی کر سکتے ہیں۔ اور یہی وہ طریق ہے کہ جس کے ذریعہ ریاست کشمیر کے مسلمان اور دیگر تمام ممالک کے مسلمان ترقی کر سکتے ہیں۔''

اس واضح بیان کے باوجود صابر صاحب نے اصرار کیا کہ قادیانیوں کو اسلام سے خارج قرار دیا جائے اور اپنی پوری کوشش کی کہ قائداعظم کو اپنا ہم خیال بنا سکیں۔ لیکن جناح صاحب اپنے موقف پر قائم رہے اور کہا: مجھے کیا حق ہے کہ میں ایک شخص کو غیر مسلم قرار دوں جب کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

اس ملاقات کی تفصیلات عبدالعزیز صاحب نے تحریر کیں اور ریاست کشمیر کے تمام اخبارات کو ارسال کر دیں۔ اسی طرح لاہور کے سرکردہ اخبار ''انقلاب''، ''شاہباز''، ''سیاست'' وغیرہ کو بھی ارسال کیں۔ یہ رپورٹ پندرہ روزہ ''روشنی'' میں بھی شائع کی گئی۔ عزیز صاحب نے اس شمارہ کی دو کاپیاں قائداعظم کو بھی ارسال کیں۔ انھوں نے نہایت مہربانی سے ان کاپیوں کی وصولی کی اطلاع اپنے خط مؤرخہ 29 مئی 1944 میں اس طرح دی:

جناب عزیز صاحب!

مجھے آپ کا خط مؤرخہ 22 مئی بمع آپ کے اخبار ''روشنی'' کی دو کاپیوں کے موصول ہوا۔ میں اس کے لیے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں اس کو بڑی دلچسپی سے پڑھوں گا۔

آپ کا مخلص

ایم۔اے جناح

عبدالعزیز صاحب نے اپنا پندرہ روزہ اخبار ''روشنی'' فروری 1943 میں شروع کیا۔ پھر یہ ہفتہ وار ہو گیا۔ اور مئی 1977 سے یہ بطور روزنامہ شائع ہو رہا ہے۔

محترم عبدالعزیز صاحب کشمیری مسلمانوں کی سماجی اور سیاسی بہبود کے لیے انتہائی خلوص اور جذبہ سے کوشاں رہے جو قابل تعریف ہے۔ اپنے اخبار کے ذریعہ کشمیر میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے سلسلہ میں بیش قیمت خدمات سرانجام دیں۔ اور متوازن اور صحت مند تنقید کے ذریعہ مسلمانوں کو سیاسی اور ادبی میدان میں صحیح سمت میں رہنمائی کرتے رہے۔ لیکن ان کی سب سے قابل قدر تحقیق اور دلچسپی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر آنے اور محلّہ خانیار سرینگر میں حضرت یوز آصف کے مزار کے متعلق تاریخی مواد اکٹھا کرنے کے موضوع سے رہا ہے۔

40 کی دہائی کے شروع میں انھوں نے لاہور کے معروف وکیل خواجہ نذیر احمد صاحب کے ہمراہ ان تاریخی اہمیت کے مقامات اور آثار قدیمہ کی عمارات کا معائنہ کیا جن کا تعلق کسی لحاظ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کشمیر آنے سے بنتا تھا۔ خواجہ صاحب نے ان لاتعداد تاریخ کی کتب اور دستاویزات کا مطالعہ کیا جو کشمیر کی لائبریریوں، عجائب گھروں اور ذاتی لائبریریوں سے دستیاب ہو سکیں۔ اور مختلف انبیاء سے متعلق نوادرات کا پتہ لگایا اور ان کی تصاویر حاصل کیں۔ خواجہ صاحب نے اس طرح جو تحقیقی مواد اکٹھا کیا اس کو اپنی معروف کتاب ''جیسس ان ہیون آن ارتھ''، یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کشمیر جنت نظیر میں'' میں لاہور سے 1952 میں شائع کی۔ لیکن عبدالعزیز صاحب نے اس تحقیق کو 1947 میں خواجہ صاحب کے چلے جانے کے بعد جاری رکھا۔ 1947 میں جب کشمیر میں تقسیم ہند کے وقت حالات نے خطرناک صورت حال اختیار کر لی تو خواجہ صاحب کو مجبوراً کشمیر چھوڑنا پڑا۔ عبدالعزیز صاحب نے اپنے طور پر جو تحقیق کی اس کو اردو میں اخبار روشنی میں دسمبر 1953 میں شائع کیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ صحافیوں اور محققین کی دلچسپی اس موضوع سے بڑھتی گئی کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کشمیر آمد اور حضرت یوز آصف کے مقبرے کے متعلق نئے شواہد اور بدھ دستاویزات ملنے لگے اور مغربی مصنّفین اور محققین زیادہ دلچسپی لینے لگے۔ 1954 میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، قلمدان پورہ سرینگر، کشمیر نے اردو میں ایک کتابچہ ''حضرت عیسیٰ اور عیسائیت'' شائع کیا جس میں محترم عبدالعزیز صاحب کا وہ تحقیقی مواد جو اخبار روشنی کے خاص نمبر میں شائع ہوا تھا اس کو شامل کیا گیا۔ اس کے علاوہ کشمیر کے ایک اور عالم ڈاکٹر عزیز احمد ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی کے ان مضامین کو بھی شامل کیا گیا جو انھوں

نے حضرت مسیحؑ کی الوہیت، تثلیث اور کفارہ کے رد میں قرآن مجید اور بائیبل کی روشنی میں لکھے تھے۔1960ء تک حضرت مسیحؑ کے کشمیر آنے اور سری نگر میں ان کے مزار کے متعلق بین الاقوامی دلچسپی پیدا ہو چکی تھی جس میں احمدیہ علماء کی تحقیق اور مغربی محققین کی کتب نے اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ عبدالعزیز صاحب نے اردو میں اپنے تحقیقی مواد کا انگریزی ترجمہ ''کرائسٹ ان کشمیر'' کے نام سے جنوری 1968 میں شائع کیا۔اب تک اس کے سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔لیکن ہر دفعہ اس میں نئی معلومات اور تحقیق کا اضافہ کیا گیا جن کا ساتھ ساتھ علم ہوتا گیا۔1980 میں ایک اور اہم کتابچہ ''مقبرہ مسیح'' شائع کی گئی جو دراصل عبدالعزیز صاحب کی اس تقریر کا متن تھا جو انھوں نے احمدیہ انجمن، لاہور قلمندان پورہ، سرینگر کے سالانہ جلسہ منعقدہ دسمبر 1979 میں کی تھی۔

1983 میں محترم عبدالعزیز صاحب احمدیہ انجمن، لاہور ٹرینڈاڈ اینڈ ٹوبیگو، ویسٹ انڈیز کی دعوت پر ٹرنیڈاڈ تشریف لے گئے اور وہاں انھوں نے مختلف شہروں میں حضرت مسیحؑ کے کشمیر جانے اور سری نگر میں ان کی قبر کے متعلق تقاریر کیں۔ان کی تقاریر کی وجہ سے وہاں کے علمی حلقوں اور صحافیوں میں اس بارے میں خاصی دلچسپی پیدا ہوئی اور وہاں کے ممتاز اخباروں نے عبدالعزیز صاحب کے انٹرویوز شائع کیے۔ 1988 میں عبدالعزیز صاحب کو جمنا دیوی گیان سرف ٹرسٹ جموں کی طرف سے صحافت کے میدان میں چالیس سال تک قابل قدر خدمات سرانجام دینے کے صلہ میں تعریفی سند عطا کی گئی۔عبدالعزیز صاحب کے پاس بیرونی ممالک سے اخبارات کے نمائندے اور محقق آتے رہتے ہیں کیونکہ حضرت مسیحؑ کی کشمیر آمد اور پھر ان کی سرینگر میں وفات کے سلسلہ میں ان کی تحقیقات کا شہرہ کشمیر میں اور بیرونی ممالک میں ہو چکا ہے۔ اس موضوع میں اس قدر دلچسپی بڑھ گئی کہ ایک جرمن ٹیم نے اس بارے میں یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ایک تحقیقی مرکز سرینگر میں دو کروڑ روپے کے فنڈ سے قائم کرنا چاہتے ہیں۔لیکن یہ منصوبہ عملی شکل نہ اختیار کر سکا کیونکہ مقامی مسلمانوں نے اس کی سخت مخالفت کی۔(اوا ین کول، مدیر ہفتہ وار 'لیڈر'، جموں مؤرخہ 3 نومبر 1985 ص 4)

محترم عبدالعزیز صاحب روزنامہ ''روشنی'' کی ادارت کے علاوہ کشمیر کے دیگر اخبارات اور رسائل میں بھی مضامین اور شذرات لکھتے رہتے تھے حضرت مسیحؑ کی کشمیر میں آمد اور سرینگر میں وفات کے بارے میں ان کی تحقیقی کتب کے علاوہ ''عصری تقاضے''، ظہور امام مہدی'' کے کتابچے بھی ان کی ادبی اور مذہبی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔2001 میں انھوں نے ایک ادبی کتابچہ نگارستان کا اضافہ بھی کیا۔کچھ سالوں سے عبدالعزیز صاحب عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے ریٹائرڈ زندگی گزار رہے تھے اور اخبار ان کے بڑے بیٹے ظہور احمد صاحب چلا رہے تھے۔لیکن پھر بھی بیرونی ممالک سے آنے والے سیاح اور محقق محترم عزیز صاحب سے ملتے اور مسیح کے کشمیر آمد اور ان کی وفات کے بارے میں انٹرویو لیتے۔آخری وقت تک وہ ذہنی طور پر مستعد تھے، بی بی سی نے بھی اس موضوع پر ایک دستاویزی پروگرام نشر کیا جس میں ان سے بھی مختصر گفتگو شامل ہے۔یہ دستاویزی پروگرام ''یوٹیوب'' پر اردو ترجمہ کے ساتھ موجود ہے۔اس سال اپریل کے تیسرے ہفتہ میں عبدالعزیز صاحب چند دنوں کے لیے بیمار ہوئے تو ان کو مقامی ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا جہاں وہ 27/اپریل 2010ء کو 90 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

''بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے''۔اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور مغفرت نازل فرمائے۔عبدالعزیز صاحب ایک بے باک صحافی، انتھک محقق تھے۔انھوں نے مشکل حالات میں صحافت جیسے نازک اور پرخطر پیشہ کو اختیار کیے رکھا۔حضرت مسیحؑ کے کشمیر میں آمد اور ان کی وفات جیسے حساس اور متنازعہ موضوع پر وہ انتہائی ہمت اور گہرے مطالعہ کے ساتھ ڈٹے رہے اور بڑے مدلل اور مستند طریق پر لوگوں کو اس موضوع کے تمام پہلوؤں سے آگاہ کرتے۔ان کی وفات کے ساتھ تاریخ کا اہم باب پر ختم ہوا جس میں کشمیر کے مسلمانوں کی سیاسی اور دینی بیداری کے لیے کئی ایک ممتاز مسلمانوں نے اہم کردار ادا کیا ان میں عبدالعزیز صاحب کا نام بھی شامل ہے۔

☆☆☆☆

قسط۔۲

مقدس کفن کی مختصر تاریخ

از ممتاز احمد فاروقی

(گزشتہ قسط میں ہم نے ٹیورن میں ''مقدس کفن'' کی نمائش کی تفصیلات اور کفن پر شبیہہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائبل میں درج تفصیلات میں لکھی تفصیلات کی مشابہت کے بارے میں ''غالب امکانات'' کے عنوان سے ایک تجزیہ جو خود چرچ کی طرف سے شائع ہوا ہے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا تھا۔ موجودہ قسط میں جرمن سکالر ''کرٹ برنا'' نے اپنی کتاب میں اس بارے میں جو تفصیل اور تاریخی پس منظر لکھا تھا اور جسے ممتاز احمد فاروقی صاحب نے اپنی کتاب ''کسر صلیب'' میں 1972ء میں ترجمہ کر کے شائع کیا تھا اس کو درج کر رہے ہیں تا کہ 35 سال قبل جو تفصیل یا حقائق اس بارے میں معلوم ہوئے تھے اس میں کہاں تک پیش رفت ہوئی ہے قارئین کو اس کا علم ہو سکے۔ مدیر)

یہودیوں کے نزدیک صلیب کی نوعیت

رومی عدالت نے حضرت مسیحؑ کو ایک مجرم قرار دے دیا اور انہیں صلیب کی سزا ہوئی۔ ایسی موت کے متعلق بائیبل میں لکھا ہے کہ ''جو کاٹھ (صلیب) پر چڑھ کر مرا، وہ لعنتی ہے۔'' یہودی قانون کی رُو سے مصلوب لعنتی ہونے کی وجہ سے مَردود اور نجس خیال کیا جاتا ہے۔ اسے شام ہونے سے پہلے ہی دفن کر دیتے تھے۔ حضرت مسیح جمعہ کے روز سہ پہر کو صلیب دیے گئے۔ اگلا دن سبت کا تھا اور یہ دن اور مقدس ہو گیا کیونکہ اسی دن یہودی تہوار Passover یعنی عید فسح بھی منایا جانا تھا۔

سبت کے دن کی ابتداء سورج غروب ہوتے ہی تین ستارے نظر آنے پر ہو جاتی تھی۔ چنانچہ یوسف آرمیتھیا رومی گورنر پلاطوس کے پاس گیا تا کہ حضرت مسیح کے جسم کو صلیب سے اتار کر لے جا سکے۔ جس پر کچھ ضروری اور سرکاری کارروائیوں کے بعد اسے اجازت دے دی گئی۔ یوسف نے پہلے ہی سے کفن کے لئے کپڑے کا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ کپڑا اتنا لمبا چوڑا تھا کہ انسانی جسم پر پورا آ سکے اور یہ خاص طور پر اتنا لمبا رکھا گیا تھا کہ جسم کو اس پر لٹا کر باقی کپڑا سر کے اوپر سے لا کر جسم کے اوپر کے حصّہ کو بھی ڈھانپا جا سکے۔

مسیحؑ کو صلیب دیے جانے والے مقام سے قریب ہی ایک غار نما قبر یوسف آرمیتھیا نے بنائی ہوئی تھی۔ ان خاص حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسی قریبی جگہ پر حضرت مسیحؑ کے جسم کو لے جا کر لٹا دیا گیا (یوحنا۔۱۹: ۴۲)۔ چاروں انجیل لکھنے والوں نے بیان کیا ہے کہ مسیحؑ کے جسم کو دفن کرنے سے پہلے ایک کتانی کپڑے میں لپیٹا گیا تھا جو کفن کے لئے استعمال ہوا تھا۔ یوحنا نے اس کفن کا خاص طور پر ذکر کیا ہے ''جبکہ وہ اور پطرس یہ خبر سن کر کہ مسیحؑ کا جسم غار سے غائب ہو گیا ہے بھاگے ہوئے وہاں گئے تو انہوں نے کفن کے کپڑوں کو وہاں پڑا پایا''۔ (یوحنا۲۰: ۲ تا ۷)

یہودیوں کے خیال کے مطابق جو چیز یا کپڑا مردہ جسم کے ساتھ لگا ہو، وہ ناپاک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی خیال سے مسیح کے شاگردوں نے ان کے مقدس کفن کو خاص احتیاط سے چھپائے رکھا۔ اس واقعہ کے بعد فلسطین میں بدامنی رہی اور کئی حملہ آوروں نے ملک میں تباہی مچائے رکھی۔ مگر خوش قسمتی سے یہ کفن ضائع ہونے سے بچا رہا۔

یروشلم سے ٹیورن تک

نائسی فورس کیلسٹس نے ''عیسائی مذہب اور گرجا کی تاریخ'' میں لکھا ہے کہ ملکہ پلچیریا نے ۴۳۶ء میں قسطنطنیہ میں ایک عبادت خانہ میں جس کا نام سینٹ میری آف پلچیرینا تھا بنوایا تھا اور اس میں مسیحؑ کے کفن کو (جو انہی دنوں دوبارہ دریافت ہوا تھا) بحفاظت رکھوایا تھا۔ یہ کفن ۱۲۰۴ء تک وہیں تھا۔ رابرٹ ڈوکلیری جس نے چوتھی صلیبی جنگ کے حالات لکھے ہیں نے ذکر کیا ہے کہ جب صلیبی جنگجو سپاہی فتح مند ہو کر قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، تو وہاں ایک راہب خانہ سینٹ میری آف پلچیرنس میں حضرت مسیحؑ کا کفن رکھا ہوا تھا جس کی ہر جمعہ کے دن زیارت کروائی جاتی تھی۔ اور اس کپڑے پر ہمارے آقا مسیحؑ کی شبیہہ مبارک کے نقش نظر آتے تھے۔ جب شہر پر دشمن کا قبضہ ہو گیا تو ایسی افراتفری پھیلی کہ وہاں یونانی اور فرانسیسی سپاہیوں کی موجودگی کے باوجود یہ علم نہ ہو سکا کہ یہ مقدس کفن کہاں گیا۔

اُن کتابوں کا مطالعہ جو ایڈمنان نے مقامات مقدسہ سے متعلق لکھی ہیں ہمیں ایک فرانسیسی بشپ آرکلپس کے بیان کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ بشپ ۶۴۰ء میں یروشلم کی زیارت کو گیا۔ وہاں اُسے مقدس مسیحؑ کا کفن ساتویں صدی عیسوی میں یروشلم میں موجود تھا اور بعد میں وہاں

سے قسطنطنیہ لایا گیا۔ بہر حال ۱۲۰۴ء میں یہ کفن چوتھی صلیبی جنگ میں وہاں موجود تھا اور وہاں سے مال غنیمت یا ویسے چرا لیا گیا۔

بازنطینی مورخوں، خصوصاً ڈام چامارڈ کے بیان کے مطابق ایک کفن کا کپڑا (جو ڈوکلیری کے بیان سے مطابقت رکھتا تھا) آرچ بشپ آف بیسانکاں (Besancon) کو پانس ڈولا روشے (Ponce de La Roche) نے حوالے کیا جو کہ (Franche Comte) کا بڑا سردار تھا۔ یہ سردار اس شخص اوتھوں ڈے لا روشے کا باپ تھا جو کہ برگنڈی (فرانس) کی فوج کے سرداروں میں سے تھا۔ اس فوج نے ۱۲۰۴ء کی صلیبی جنگ میں حصّہ لیا تھا۔ یہ کفن (جو قسطنطنیہ والا کفن معلوم ہوتا تھا) سینٹ ایٹی این کے گرجا میں بڑے احترام کے ساتھ ۱۳۴۹ء تک رکھا رہا جبکہ یہ گرجا آگ لگنے سے تباہ ہو گیا تھا۔ مگر یہ مقدس کفن پھر چوری کر لیا گیا اور آٹھ سال بعد ۱۳۵۷ء میں پھر ظاہر ہوا۔ اور فلپ ششم نے اس کو کاؤنٹ جیوفری ڈو چارنی کے قبضہ میں دے دیا۔ قیاس یہ ہے کہ جس شخص نے اس کو چرایا تھا اس نے کسی طریق سے بادشاہ کے ہاتھ فروخت کیا یا اسے تحفتہً دے دیا ہوگا۔ چارنی نے اس مقدس کفن کو لائیرے (Lirey) کی مذہبی درسگاہ میں احتیاط سے رکھوا دیا۔

اس خاندان کا آخری فرد جس کے قبضہ میں یہ کفن رہا، وہ مارگیورائٹ ڈو چارنی ایک عورت تھی جو اس کفن کو بیلجیئم کے شہر چیمے (Chima) لے گئی۔ اور ۱۴۵۲ء میں تحفہ کے طور پر ڈیوک آف سیوائے کی بیوی کو دے دیا۔ اور ڈیوک آف سیوائے نے چمبری میں ایک گرجا بنوا کر اس کفن کو وہاں رکھوا دیا۔ ۱۵۳۲ء میں اس گرجا کو بھی آگ لگ گئی اور چاندی کا وہ صندوق جس میں یہ مقدس کفن رکھا ہوا تھا آگ سے پگھل گیا اور پگھلی ہوئی چاندی اس تہہ شدہ کفن کے کناروں پر گری جس سے کفن کے تہہ شدہ کونے جل گئے۔ آگ بجھانے کے لئے جو پانی پھینکا گیا اس سے بھی کفن کے کپڑے پر ایک خاص شکل میں نشان بن گئے (یہ سب کفن کے فوٹو میں نظر آتے ہیں)۔ کفن کے جلے ہوئے کپڑے کو (Poor Clares of Chamberty) کی خانقاہ کی ننوں نے مرمت کر کے ٹھیک کیا۔ بالآخر یہ کفن اٹلی کے شہر ٹیورن (Turin) میں ۱۵۷۸ء میں لایا گیا، جہاں اسے ایک شاہی گرجا میں جو خاص کر اسی کے لئے بنایا گیا تھا احتیاط سے رکھ دیا گیا۔ یہ بہت کم لوگوں کو دکھایا جاتا تھا اور خاندان سیوائے (جو کسی وقت اٹلی میں حکمران تھا) کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہوتی تھی۔

۱۵۹۸ء میں یہ کفن پہلی بار عام لوگوں کو دکھانے کے لئے نکالا گیا اور اس وقت ہی اس کی تصاویر لی گئیں۔ اس کے بعد ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۳ء میں بھی اسے عام نمائش کے لئے پیش کیا گیا۔

مقدس کفن اور پوپ

ابتداء میں جب یہ کفن لیرے کے مقام پر رکھا ہوا تھا تو اس وقت اس کی شہرت عیسائیوں میں ہوئی اور بہت سے لوگ اس کی زیارت اور تعظیم کو آتے رہتے تھے۔ اس کے زیارت گاہ بن جانے کی وجہ سے بعض دوسرے پادریوں کو حسد ہوا اور انہوں نے اس کفن کو ایک دھوکا اور جعلی قرار دے دیا۔ اور جب ۱۳۸۹ء میں یہ معاملہ فرانس کے نئے پوپ کو جو ایوگنان (Avignon) میں متعین تھا پیش کیا گیا، تو پوپ کلیمنٹ ہفتم (Clement) نے ایک ذومعنی اور سیاسی فیصلہ دے دیا کہ یہ حضرت مسیحؑ کے اصلی کفن کی ایک تصویر یا خاکہ ہے جو دوسرے کپڑے پر بنایا گیا ہے۔ اور اس کا ثبوت یہ دیا کہ انجیلوں میں ان خاکوں اور نشانات کا کوئی ذکر نہیں ہے جو اس کپڑے پر پائے جاتے ہیں، چونکہ اس وقت اس کفن کا کوئی منصفانہ اور غیر جانبدارانہ معائنہ نہیں کروایا گیا تھا ورنہ یہ امر واضح ہو جاتا کہ اس پر کوئی مصوری نہیں کی گئی۔

مگر جیسے ہی یہ کفن چیمبرٹی میں لا کر محفوظ کیا گیا، تو اصلی پوپ پال دوم نے اس کفن والے گرجا کے ساتھ ایک دینی ادارہ قائم کر دیا۔ اور پوپ سکسٹس چہارم (Sixtus) نے 1480ء میں اس خاص گرجا کو مقدس گرجا کا نام دے دیا۔ پوپ جولیس دوم نے 1506ء میں اس میں عبادت کی رسوم ادا کرنے کا انتظام کر کے اس کا دفتر قائم کیا اور ہر سال ۴ مئی اس کے تہوار کا دن مقرر کیا۔ پوپ لیو دہم نے اس تہوار کو تمام سیوائے کا تہوار قرار دیا اور پوپ گریگوری سیزدہم نے اس تہوار کو پیدمونٹ (Piedmont) کے صوبہ میں رائج کیا اور ساتھ ہی ان زائرین کو جو اس کفن والے گرجا میں زیارت کو آئیں، خاص برکات کا حامل قرار دیا۔ پوپ پائیس (Pius) ہفتم نے تو 1814ء میں آ کر اس کفن کو سجدہ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ کامیاب ہو کر پوپ کے اختیارات سنبھال رہا تھا اور پوپ لیو سیزدہم نے جب ۱۸۹۸ء میں پہلی دفعہ اس کفن کی تصاویر دیکھیں تو اس کا دل مسرت سے بھر گیا اور آنکھیں خوشی کے آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔

پوپ پائیس یازدہم پہلا پوپ تھا جس کے متعلق مشہور تھا۔ وہ نہایت معقول آدمی اور سائنٹفک ذہن کا مالک تھا جو شواہد و حقائق اور مضبوط دلائل کی روشنی میں فیصلے کیا کرتا تھا۔ اس نے ٹیورن کے اس مقدس کفن کے اصلی اور محفوظ حالت میں ہونے کا قطعی فیصلہ دیا ہے۔

۱۸۹۸ء میں جب اس کفن کی پہلی دفعہ نمائش ہوئی تھی، تو اس وقت پوپ پائیس نے ایک نوجوان پادری کی حیثیت سے اس میں شمولیت کی تھی۔ اس نمائش کے بعد عیسائی حلقوں میں اس پر جو بحث وتنقید ہوئی جس کا اس نے بغور مطالعہ کیا اور ساتھ ہی ساتھ نئی تحقیقات بھی کرتا رہا۔ جب وہ پوپ کے عہدے پر فائز ہوا تو اس کے ایک سال بعد اس نے اس فوٹوگرافر سکینڈو پیا (Secundo Pia) کو اپنے دربار میں بلا بھیجا جس نے 1898ء میں نمائش کے موقعہ پر کفن کے فوٹو لیے تھے۔ اس نے تصاویر اوران کی خصوصیات سے متعلق تفصیل سے بات چیت کی۔

1931ء میں کفن کی دوسری نمائش ہوئی اور ۱۹۳۳ء میں پوپ پائیس کے حکم پر تیسری نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ ۱۹۳۴ء میں پوپ نے کفن کے سرکاری فوٹوگرافر کام، جی، ایری(Comm G Erie) کو بلایا اور اس سے تفصیلی گفتگو کی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ان تصاویر کی سائنسی قدروقیمت سے پوری طرح آگاہ تھا۔ چنانچہ دوران گفتگو اس نے ان تصاویر کو کسی تاریخی تحقیق سے کہیں زیادہ مستند اور قابل اعتماد قرار دیا۔

۵ دسمبر ۱۹۳۶ء کو پوپ پائیس نے اس مقدس کفن کی تصاویر ''کیتھولک ایکشن'' کے نوجوان زائرین کو بھی تقسیم کیں۔ پھر اپنی وفات (3فروری 1939ء) سے قبل ایک بڑی مجلس میں جو مختلف تہوار منانے کے سلسلہ میں منعقد کی گئی تھی۔

اس مقدس کفن سے اتاری گئیں حضرت مسیحؑ کے چہرے کی تصاویر بطور تبرک تقسیم کیں۔ کئی سال کی تحقیقات کے بعد پوپ پائیس یازدہم نے اس بات کا اعلان کیا کہ ہم نے اس مقدس کفن کی ذاتی طور پر چھان بین کی ہے اور ہمیں اس کے اصل ہونے پر کامل یقین ہو گیا ہے اور جو اعتراضات اس کے برخلاف اٹھائے گئے ہیں، وہ بے حقیقت اور فضول ہیں۔

اس کے بعد بھی تمام پوپ جو اس عہدہ پر فائز ہوئے، سب نے اس کفن کے اصلی ہونے کی تائید کی۔ ان سرکاری تصاویر میں کفن پر جو نقوش اور نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کی تجربہ کار لوگوں نے چھان بین کروائی۔ پوپ پال ششم جو آج کل پوپ کے عہدے پر فائز ہے، نے بھی اس کفن میں کافی دلچسپی لی۔ اور اس بات پر آمادگی ظاہر کی کہ اس کفن کے متعلق سائنٹفک طور پر تحقیقات کروائی جائے۔ چنانچہ جون ۱۹۶۹ء میں اس قسم کی تحقیقات کروائی گئی اور اس سائنٹفک تحقیقات کے نتائج اور فیصلہ جات ویٹکان (پوپ کی عملداری کا دفتر) کو ۱۹۷۰ء کے نصف میں بھیج دیے گئے مگر ویٹکان ان نتائج اور فیصلہ جات کو شائع کرنے سے گریز کر رہا ہے اور سوال کرنے پر جواب ملتا ہے کہ اس قسم کے نازک امور میں بہت گہری چھان بین اور صبر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں ۱۶ مئی ۱۹۷۰ء کے ''دی ٹائمز لندن'' میں ایک مضمون چھپ چکا ہے۔ (ماخوذ از: ''کسر صلیب''۔ دسمبر 1972ء ص ص110-114)

☆☆☆☆

انگریزی سے ترجمہ: اویس عامر۔ بی کام

مقدس کفن کے بارے میں پوپ کا بیان

موجودہ پوپ نے مقدس کفن کے سامنے دعا کی پاپائے اعظم نے حضرت عیسیٰ کے کفن کے مستند ہونے کی تصدیق کردی

سوموار 3 مئی 2010ء ایسوسی ایٹ پریس نے اٹلی سے ذیل کی خبر دی:

''ٹیورن، اٹلی۔ اتوار کو پوپ بینڈکٹ 15 نے واضح طور پر ٹیورن میں کفن کے مستند ہونے کی تصدیق کردی۔ اس کپڑے کو جسے لوگ حضرت مسیحؑ کا کفن کہتے ہیں جس میں انہیں دفنایا گیا تھا۔ ایک مصلوب شخص کی شبیہہ کہا ''جو خون سے لکھا گیا ہے'' شمالی اٹلی کے شہر ٹیورن میں آمد کے دوران کوئی سائنسی اعتراضات نہ کیے جو کفن کے متعلق کیے جاتے ہیں یا کہ یہ از منہ واسطے کی جعل سازی ہے۔ اس کی بجائے (پاپائے اعظم) نے اس ایمان کے بارے میں ایک انتہائی طاقت ور مراقبہ کیا اور یقین ظاہر کیا کہ حقیقت میں وہی بڑی چادر ہے جس میں حضرت مسیحؑ کو دفن کیا گیا تھا۔

پوپ بینڈکٹ نے کہا: ''یہ ہی کفن ہے جس میں ایک مصلوب شخص کی میت کو لپیٹا گیا اور یہ بالکل انہی تفصیلات کا حامل ہے جو حضرت عیسیٰ کے بارے میں اناجیل بتاتی ہیں۔

انہوں نے فرمایا: ''یہ عیسائیت کی سب سے اہم یادگار ہے اور اس کو ایمان کی سب سے تاریک ترین عجوبہ'' کی تصویری دستاویز کے طور پر دیکھنا چاہیے یعنی حضرت مسیحؑ کا مصلوب ہونا اور پھر ان کا ''زندہ اٹھ جانا''

مقدس کفن کی تفصیل

۱۴ فٹ لمبا اور ۳۵ فٹ چوڑی چادر کو ۲ ہزار سالہ نمائش کے بعد پہلی مرتبہ عوام کو دکھایا جا رہا ہے۔ اور پھر ۲۰۰۲ میں بھی اس کو دوسری جگہ منتقل کیا

گیا۔ اس کو ٹیورن کے کیتھیڈرل میں ایک صندوق میں رکھا گیا ہے جو بلٹ پروف ہے اور اس کو اس طریق پر (کمپیوٹر کے ذریعہ) محفوظ کیا گیا ہے کہ اس پر ماحول یا فضاء کا کوئی اثر نہ ہو سکے گا۔ اس کو زیارت کرنے کے لئے ۲۰ لاکھ لوگوں نے نام درج کروائے۔ اور مشتاق سیاحوں کو اس کو تین سے ۵ منٹ تک قریب سے دیکھنے کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں۔

اس چادر پر ایک مصلوب شخص کی مکمل شبیہہ منعکس ہے جس کے ہاتھوں اور پاؤں سے خون بہہ رہا ہے۔ اور عیسائیوں کا کہنا ہے کہ اس چادر کے دھاگوں پر حضرت مسیحؑ کے ''زندہ جی اٹھنے'' کے وقت کی شبیہہ منعکس ہوئی تھی۔

پوپ بینڈکٹ نے دعائیہ خطاب میں اس پیغام کو اس بات پر مرکوز کیا کہ کفن ''خون میں لکھی ہوئی ایک یادگار ہے'' اس شخص کا خون جس کو کوڑے لگائے گئے، جس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا گیا۔ جس کو صلیب پر چڑھایا گیا اور جس کی دائیں طرف (نیزے) سے زخم کیا گیا۔

''چادر پر ایک وفات شدہ شخص کا عکس ہے لیکن جو خود اس کی زندگی کے بارے میں پتہ دیتی ہے۔ ''خون کا ہر نشان محبت اور زندگی کا منہ بولتا ثبوت ہے''۔

ویٹیکان نے اب تک اس مسئلہ کے بارے میں کوئی واضح موقف نہیں اختیار کیا کہ اس چادر کی حقیقت کیا ہے۔ پوپ بینڈکٹ کے دعائیہ کلمات جو انہوں نے خاموش عبادت کے بعد کہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس وقت گہرے مراقبہ کی کیفیت میں تھے۔ اس سے بالآخر یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ اس کفن کے مستند ہونے کے بارے میں سائنس کیا کہتی ہے۔

☆☆☆☆

جماعت احمدیہ ربوہ کے سربراہ کے نام تعزیتی خط

محترم جناب مرزا مسرور احمد صاحب

خلیفہ جماعت احمدیہ قادیان/ربوہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

احمدیہ انجمن لاہور کے ممبران اور تمام احباب لاہور میں 28 مئی کو ہونے والے ہولناک واقعات میں قیمتی جانوں کے ضیاع پر نہایت غمگین اور افسردہ دلی سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ نماز جمعہ ادا کرتے ہوئے لوگوں کو عبادت گاہ میں دہشت گردی کا نشانہ بنانے کی پرزور مذمت کرتے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس سانحہ کے تمام شہدا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا کرے۔ آپ کو اور آپ کی جماعت کے افراد کو اور متاثرہ خاندانوں کے لواحقین کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق و ہمت عطا فرمائے۔

آپ کی جماعت نے حضرت مسیح موعودؑ کی صبر کی تعلیم کا جو شاندار عملی نمونہ پیش کیا ہے وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے۔ اس انتہائی رنج دہ سانحہ پر آپ کی جماعت نے پرامن رہتے ہوئے قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا۔ یہی حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم کا مرکزی نقطہ ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ آنے والے دنوں میں اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کی جماعت کے تمام افراد کی حفاظت فرمائے اور اس طرح کے سانحات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

والسلام

آپ کے غم میں شریک
ڈاکٹر عبدالکریم سعید
امیر جماعت، احمدیہ انجمن لاہور

اسلام کے اوائل کی تاریخی جھلکیاں

انگریزی سے ترجمہ: نعیم اللہ ملک

اسلام میں خواتین کے حقوق اوران کا سماجی کردار

قرآن مجیداوراسوہ حسنہ نبی اکرم صلعم کی روشنی میں

کیرن آرم سٹرانگ

تعدد ازواج کی سماجی اہمیت

احد میں شہید ہونے والے ہر مسلمان کے پسماندگان میں بیویاں اور بیٹیاں شامل تھیں۔اوران کا کوئی محافظ نہیں تھا۔ چنانچہ شکست کے بعد حضورؐ پر ایک وحی نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو چار بیویاں رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ مسلمانوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ خدا نے مردوں اور عورتوں کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے اس لیے اس کی نظروں میں دونوں جنسیں مساوی قدر و حیثیت رکھتی ہیں۔

''اور یتیموں کو ان کے مال دو اور اچھی چیز کو ردی چیز سے نہ بدلو اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ۔ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔

اور اگر خوف ہو کہ یتیم کے بارے میں تم انصاف نہ کر سکو گے تو اور عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں نکاح کرلو (خواہ) دو، تین یا چار۔ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ یہ زیادہ مناسب ہے کہ تم ناانصافی نہ کرو۔''

(سورہ نسا: آیت ۲،۳)

مسلمانوں میں کثیر الازدواجی کی اجازت پر بہت نکتہ چینی کی جاتی ہے اور اسے مسلم خواتین کے مصائب کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتا ہے لیکن جب یہ وحی نازل ہوئی، اس وقت اسے سماجی پیش رفت قرار دیا گیا۔ (Muhammad at Medina,Watt:pp.272-83)۔ اسلام سے پہلے کے دور میں ہر مرد اور عورت کو کئی کئی شادیوں کی اجازت تھی۔ شادی کے بعد عورت اپنے خاوند کے گھر میں رہتی اور اس کے تمام ''شوہر'' اس کے پاس آتے جاتے۔ اصل میں یہ لائسنس یافتہ عصمت فروشی تھی۔ ان حالات میں پدری رشتہ یقینی نہیں تھا چنانچہ بچوں کو عام طور پر اپنی ماؤں کے نام سے شناخت کیا جاتا تھا۔ مرد عورتوں کے نان ونفقے کے ذمہ دار نہیں تھے اور نہ ہی وہ اپنی اولاد کی کفالت کرتے تھے۔ لیکن اس وقت عرب ایک عبوری دور سے گزر رہا تھا۔ جزیرہ نما میں اس نئے نظریے کا کہ افراد کو فکر و عمل کی آزادی ہونی چاہیے، مطلب یہ تھا کہ مرد اپنے بچوں میں زیادہ دلچسپی لینے لگیں۔ وہ ذاتی املاک کا زیادہ حق جتانے لگے اور ان کی یہ خواہش ہوگئی کہ ان کی دولت ان کے بیٹوں کو ورثے میں ملے۔ قرآن کریم نے متحدہ خاندانوں پر مشتمل معاشرہ قائم کرنے کے رجحان کی حوصلہ افزائی کی۔ خود حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کئی شادیاں کیں اور ازواج مطہراتؓ کو اپنے گھر میں لا کر ان کو نان ونفقہ فراہم کیا۔ قرآن پاک مسلمانوں کو کثیر الازدواجی کی اجازت دینے کے ساتھ مردوں سے ان فرائض کی ادائیگی کی توقع رکھتا ہے جن کا حکم ان آیات میں دیا گیا ہے۔ قرآن اس سماجی مسئلے سے بھی بخوبی آگاہ تھا جو ان نئی آیات کے نزول کے ذریعہ حل کیا جانا مقصود تھا۔

اسلام سے قبل عورتوں کی حیثیت

ظہور اسلام سے پہلے کوئی عورت جائیداد کی مالکہ نہ ہوتی۔ اس کی دولت اس کے خاندان کی ملکیت ہوتی اور اس کے مرد رشتے دار اس کا انتظام وانصرام کرتے۔ لیکن مکہ میں، جہاں عرب کے کسی بھی علاقے کے مقابلے میں انفرادیت کے نظریے پر زیادہ عمل کیا جاتا، اشراف خاندانوں کی کئی خواتین کو وراثت میں جائیداد ملتی اور وہ خود اس کا انتظام چلاتیں۔ اس سلسلے میں جناب خدیجہؓ کی مثال پیش کی جاسکتی ہے تاہم مکہ میں ایسی بہت کم مثالیں موجود تھیں اور مدینہ میں تو کسی نے سنا بھی نہیں تھا۔ بیشتر مرد اس نظریے کو ہی مضحکہ خیز سمجھتے تھے کہ عورتوں کو وراثت مل سکتی ہے اور وہ جائیداد کی خود دیکھ بھال کر سکتی ہیں۔ عورتوں کے لیے کوئی انفرادی حقوق نہیں تھے۔ وہ ان حقوق کو حاصل بھی کیسے کر سکتی تھیں؟ چنانچہ استثنائی مثالوں سے قطع نظر معیشت میں خواتین کا کوئی رول نہیں تھا اور چونکہ وہ غزووں میں حصّہ نہیں لے سکتی تھیں اس لیے وہ اپنی برادری کے لیے کوئی دولت نہ لاتیں تھیں۔ خواتین کو روایتی طور پر مردوں کی جائیداد سمجھا جاتا تھا۔ مرد کی وفات کے بعد اس کی بیواؤں اور بیٹیوں کو مرد

وارثوں کے حوالے کردیا جاتا جو ان کو وراثت میں ملنے والی جائیداد کو ہتھیانے کے لیے انہیں عموماً غیر بیاہتا اور تنگ دست رکھتے۔

خواتین کے قانونی حقوق

کثیر الازدواجی کے متعلق قرآنی احکام کو سماجی قانون کا درجہ حاصل تھا جس کا مقصد مردوں کی جنسی تسکین کا سامان مہیا کرنا نہیں بلکہ بیواؤں، یتیموں اور دوسری زیر کفالت اور بے کس خواتین کے ساتھ روا رکھی جانے والی بے انصافی کا ازالہ کرنا تھا کیونکہ غیر محتاط لوگ عموماً ہر چیز پر قبضہ کر لیتے اور خاندان کے کمزور افراد کے لیے کچھ نہ چھوڑتے۔ (Mernissi: Women and Islam, pp. 123, 182)۔ مرد گارڈین انہیں اکثر جنسی تشدد کا نشانہ بناتے یا انہیں لونڈیاں بنا کر بیچ ڈالتے اور اس طرح انہیں مالیاتی اثاثے میں تبدیل کر دیتے۔ مثال کے طور پر ابن ابی اپنی لونڈیوں سے جبراً عصمت فروشی کروا کر دولت اکٹھی کرتا۔ قرآن مجید میں ایسے طرز عمل کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ اور عورتوں کو وراثت کے ناقابل منتقلی حقوق دیے گئے ہیں۔ کثیر الازدواجی کی اس بات کو یقینی بنانے کے لئے اجازت دی گئی تھی کہ غیر محفوظ عورتوں کی احسن طریقے سے شادی کر دی جائے اور قدیم ڈھیلے ڈھالے، غیر ذمے دار ناجائز تعلقات کو ختم کر کے مرد کو صرف چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن مرد پر یہ فرض عاید کر دیا گیا کہ وہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ عورتوں کی املاک کو ہڑپ کرنے کو بھی غیر منصفانہ اور ظالمانہ فعل قرار دیا گیا۔

قرآن کریم خواتین کو وہ قانونی حقوق دینے کی کوشش کر رہا تھا جو مغرب کی اکثر عورتوں کو انیسویں صدی تک نہیں ملے تھے۔ عورتوں کی قانونی یا اخلاقی مجبوریوں سے آزادی رسول کریمؐ کو دل سے عزیز تھی لیکن آپؐ کے بعض انتہائی قریبی صحابہؓ سمیت امت کے کئی مرد اس منصوبے کے خلاف تھے۔ جس معاشرے میں تنگی اور قلت کا مسئلہ درپیش ہو، وہاں چار بیویاں اور ان کے بچوں کی کفالت کا بوجھ قبول کرنے کے لئے جرات اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ مسلمان اس یقین سے سرشار ہونے چاہئیں کہ خدا انہیں روزی کا سامان فراہم کرے گا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

''اور جو شادی کا سامان نہیں پاتے، پاک دامن رہیں یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔ اور وہ غلام جو (کچھ دے کر) آزادی کی تحریر مانگتے ہیں ان کو تم ایسی تحریر دے دو اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو اور ان کو اللہ کے مال سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ اور اپنی لونڈیوں کو جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو۔ اور جو کوئی مجبور کرے گا تو اللہ ان کے جبر کے بعد بخشنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔'' (النور ۲۴:۳۳)

رسول کریمؐ کا عملی نمونہ

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس معاملے میں بھی قافلہ سالار ثابت ہوئے۔ غزوہ احد کے بعد حضورؐ نے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی کر کے انہیں رہنے کے لئے ایک الگ مکان دیا۔ ان کے شوہر بدر کے معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔ وہ بدوی قبیلے بنو عامر کے سردار کی بیٹی تھیں چنانچہ اس شادی کے نتیجے میں اس قبیلے کے ساتھ آپؐ کا نیا سیاسی اتحاد قائم ہو گیا۔ ان کے لئے مسجد نبوی کے ساتھ ایک حجرہ تعمیر کیا گیا اور وہ اپنی ''تین بہنوں''، سودہؓ، عائشہؓ اور حفصہؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔

رسول اللہؐ خواتین کو مال منقولہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ازواج مطہراتؓ مردوں کی طرح آپؐ کی ''ساتھی'' تھیں۔ آپؐ عموماً ایک زوجہ محترمہ کو عسکری مہم پر اپنے ساتھ لے جاتے اور آپؐ کے سپہ سالاروں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوتی کہ آپؐ ہر شام مجاہدوں کی بجائے ان کے خیمے میں گزارتے۔ لشکر گاہ میں خواتین عجز و انکسار کے ساتھ الگ تھلگ نہ رہتیں بلکہ آزادانہ گھومتی پھرتیں اور حالات و واقعات میں پوری دلچسپی لیتیں۔ اسلام سے پہلے کے عرب میں اشراف طبقے کی خواتین کو بھی اس قسم کی آزادی حاصل تھی لیکن حضرت عمرؓ اس صورت حال سے مشتعل ہو جاتے: ''تمہاری یہ دلیری سرکشی کے مترادف ہے۔'' انہوں نے ایک دن حضرت عائشہؓ کو اگلے مورچوں پر گھومتی پھرتی دیکھ کر چلاتے ہوئے کہا: ''اگر کوئی مصیبت آ گئی تو کیا ہو گا؟ اگر ہم شکست کھا گئے اور لوگوں کو قیدی بنا لیا گیا تو کیا بنے گا؟'' (Mernissi: Women and Islam , pp 162,163)

نبی کریمؐ کے گھریلو انتظامات کے باعث ازواج مطہراتؓ کو سیاست تک رسائی مل گئی اور اس شعبے میں بھی ان کا عمل دخل بڑھ گیا۔ زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ملت کی دوسری عورتوں کو بھی اس قسم کے اختیارات مل گئے اور حضورؐ کے دشمنوں نے خواتین کی نقل و حرکت کو آں حضرتؐ کو بدنام کرنے کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

(اقتباس از محمدؐ پیغمبرِ عہد رواں، ابوذر پبلی کیشنز، لاہور، ص ص ۱۶۔۱۸)

☆☆☆☆

مختصر رپورٹ: مفتی ممتاز عالم

احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کے سرپرست اور ایشیا اینڈ پیسیفک کے علاقائی نگران محترم شوکت اے علی صاحب کا دورہ بھارت

دورہ حیدرآباد

محترم شوکت علی صاحب یکم مارچ 2010ء کی شب آندھرا پردیش کی راجدھانی حیدرآباد (دکن) میں بخیر و عافیت پہنچ گئے اور یہیں سے آپ کے اس دورے کا آغاز ہوا۔ ایئرپورٹ پر آنجناب کی ملاقات محترم سحاب شبیر بابو صاحب ایل ایل ایم ایڈووکیٹ سے ہوئی۔ جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل ڈی کر رہے ہیں۔ بطور خاص وہ حیدرآباد آئے، ان کے ہمراہ ایک نوجوان طالب علم بھی تھے۔

2/ مارچ کی صبح آنجناب کی ملاقات ایک نومسلم جناب اچھیت صاحب سے ہوئی جو اب محمد خلیل کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ آپ شوکت صاحب سے خط و کتابت کے نتیجہ میں اسلام میں داخل ہوئے۔ ہوٹل میں مزید بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ اسی طرح ایک مسلمان سرکاری افسر جناب خلیل احمد صاحب بھی ملاقات کے لئے ہوٹل پہنچے باہم طویل گفتگو متواتر چار گھنٹے تک رہی۔ پھر شام کے وقت اپنی ڈیوٹی کے بعد دوبارہ آپ سے ملاقات کیلئے اپنے صاحبزادہ کے ساتھ ہوٹل آئے تا کہ انہیں بھی تحریک احمدیت سے واقف کرائیں۔

اسی موقع پر ایک مسلم مشن کا سہ رکنی وفد آیا اور انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے لوگوں میں دین کی تبلیغ اور مبلغین کی تربیت کیلئے حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اردو تفسیر بیان القرآن اور انگلش تفسیر سے بھرپور استفادہ کر رہے ہیں وہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کو چودھویں صدی کا مجدّد اور مسیح موعود و مہدی معہود بھی تسلیم کرتے ہیں اور جماعت احمدیہ لاہور کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ انجمن ایک مرکز حیدرآباد میں بھی قائم کرے۔ ان تین حضرات میں سے دو حافظ قرآن تھے اور سکھ مذہب کے گرنتھ اور ہندی زبان پڑھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالحق ودیارتھی رحمتہ اللہ علیہ کی تحقیقات بسلسلہ صداقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی دل کھول کر تعریف کی۔ انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ حیدرآباد کی مقامی زبان تیلیگو میں جماعت احمدیہ لاہور کی اہم کتابوں کے تراجم کئے جائیں۔

برادرم خالد نوید صاحب کا نام بھی ملاقاتیوں کی فہرست میں تھا مگر افسوس کہ اچانک راستہ میں ٹریفک کی وجہ سے وہ ہوٹل تک نہیں پہنچ سکے۔ محترم خالد نوید صاحب اس سے قبل جماعت قادیان سے وابستہ تھے لیکن جناب شوکت صاحب سے طویل خط و کتابت کے نتیجہ میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا میں شمولیت کی۔

اسی روز برادرم نور الحق، برادرم عمران اور برادرم احسان تین نوجوانوں پر مشتمل ایک گروپ ملنے کیلئے آیا۔ یہ تینوں ایک مقامی یونیورسٹی کے انجینئرنگ کے طلباء تھے جو جنوری 2010ء میں ہمارے حیدرآباد کے دورہ کے موقعہ پر ہماری جماعت سے متعارف ہوئے تھے۔ یہ تینوں طلباء حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن مجید اور احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کے دیگر تصانیف کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

دورہ اندور

3/ مارچ کی صبح ہم اندور کے سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ اندور میں برادرم محمد شاداب شیخ صاحب سے ملاقات کرنی تھی۔ موصوف جماعت احمدیہ لاہور کے ایک نئے اور ہونہار ممبر ہیں اور آپ فی الحال مدھیہ پردیش کے مقام دیوداس میں بحیثیت انجینئر ''ایم این سی'' میں کام کر رہے ہیں۔ آپ نے انٹرنیٹ پر رابطہ اور طویل خط و کتابت کے بعد تحریک احمدیت میں شمولیت اختیار کی ہے۔

وہاں ہمارا جہاز صبح ساڑھے نو بجے اترا۔ ہوائی اڈہ پر برادرم محمد شاداب شیخ صاحب ہمیں لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ تمام دن برادرم شاداب شیخ صاحب نے جناب شوکت صاحب کے ساتھ گزارا۔ اسی طرح ایک زیر تبلیغ کاروباری شخص جناب امیر علی صاحب بھی تمام دن آپ کے ساتھ رہے جنہوں نے اپنی ذاتی موٹر کار آپ کے لئے

ہوائی اڈہ سے آمدورفت اور دیگر تبلیغی پروگراموں کیلئے وقف کر دی تھی۔ انہوں نے کئی سوالات کئے جن کے جوابات جناب شوکت صاحب نے بڑے تسلی بخش انداز میں دیئے

اسی طرح ایک کینڈین ایئرلائن کے پائلٹ جو انڈیا میں سروس کررہے ہیں اور ایک ایئرہوسٹس صاحبہ کو جناب شوکت صاحب نے انجمن کے چند مفید لٹریچر مطالعہ کے لئے پیش کئے اور انجمن کی دہلی کے مرکز کا پتہ اور دیگر تفصیلات دیں۔

تیسرے پہر مالوا کے علاقہ میں تبلیغی کام کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ علاقہ ابھی تک اسلام کی روشنی سے محروم ہے۔ برادرم محمد شاداب شیخ صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلہ میں تفصیلی رپورٹ دہلی دفتر کو ارسال کریں گے۔ پھر رات کے آٹھ بجے ہم نے دہلی کے لئے ایئرپورٹ کا رخ کیا۔

دورہ دہلی

جناب شوکت اے علی صاحب کا دورہ دہلی 4مارچ سے 9مارچ2010ء تک تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے احباب جماعت دہلی کو حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید ایدہ اللہ کا سلام پہنچایا۔ پھر ممبران کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے دہلی میں عالمی کتاب میلہ منعقدہ 30رجنوری تا7رفروری2010ء میں حصّہ لیا تھا۔ اور متواتر 9رونوں تک بڑی سرگرمی سے انجمن کے لٹریچر تقسیم کرتے رہے۔ اس عالمی بک فیئر میں احمدیہ انجمن کے دفتر دہلی کی جانب سے بیس ہزار کتب، کتابچے، ہینڈ بل اور پتوں کے کارڈ وغیرہ تقسیم کئے گئے۔ ان میں سے کئی لوگوں نے جناب شوکت صاحب سے ملاقاتیں کیں۔ ان میں سے دو اشخاص کا ہندو مذہب سے تعلق تھا۔ اور اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں ایک نوجوان طالب علم جناب ہری کشور صاحب تھے اور دوسرے عمر رسیدہ رجنیش صاحب۔

اسی طرح ایک نومسلم برادرم سلیمان صاحب جو کہ بدھ مذہب ترک کر کے اسلام قبول کر چکے ہیں۔ جن کا جناب شوکت صاحب سے مسلسل تین سال سے بنکاک، تھائی لینڈ سے رابطہ برقرار ہے۔ وہ باقاعدہ جماعت احمدیہ لاہور میں شمولیت اختیار کر چکے ہیں۔ ان کو قرآن حکیم کے نسخے اور کئی دوسری کتب تحفتاً پیش کی گئیں۔ آج کل وہ کابل (افغانستان) میں سروس کررہے ہیں۔ جنوری 2010ء سے وہ پابندی کے ساتھ اپنے بیس ساتھیوں اور سرزمین کابل کے یونیورسٹی کے طلباء کو درس قرآن دیتے ہیں۔ دہلی کے مقامی ممبران کو اس بات سے بے حد مسرت ہوئی۔ موصوف نے اس مقام پر درس قرآن اور تبلیغ احمدیت کا سلسلہ جاری کیا ہے جہاں حضرت مسیح موعودؑ کے دو مریدین شہید کر دئے گئے تھے۔

دہلی میں قیام کے دوران جناب شوکت اے علی صاحب نے چند مقامی وکلا صاحبان سے بھی ملاقاتیں کیں جن کے ساتھ پہلے سے ان کا رابطہ تھا۔ دہلی کے دفتر میں مجلس انتظامیہ کے علاوہ متواتر پانچ دنوں تک بہت مفید نشستیں رہیں اور ایجنڈہ میں شامل مسائل اور اہداف پر بات چیت ہوتی رہی۔ اسی قیام کے دوران آنجناب نے انجمن کے ایک ممبر محترم عین الدین صاحب کے ایکسپورٹ کے کام کے دفتر کا افتتاح اور دعا کی۔ اسی طرح آپ محترم محمد سلیم صاحب کے گھر ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور ان کی صحت یابی کے لئے دعا کی۔

مولانا محمد مشتاق صاحب کو بہار میں اور مولانا شفیع عالم صاحب کو صوبہ جموں وکشمیر کے لئے مبلغ مقرر کیا گیا ہے اور قاری ولی اللہ صاحب کو دہلی سنٹر کیلئے منتخب کیا اور انہیں سندر نگری میں احمدیہ ایجوکیشن سنٹر میں تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔

دورۂ بہار

9رمارچ2010ء دن کے دو بجے محترم شوکت صاحب، مفتی ممتاز عالم صاحب اور سحاب شبیر ایڈووکیٹ کے ہمراہ بذریعہ ٹرین بہار کیلئے روانہ ہوگئے۔ اور مولانا مشتاق صاحب 2دن پہلے سے بہار چلے گئے تھے۔ بہار میں اگلا اسٹیشن کٹہار تھا وہاں پہنچنے کے لئے آپ کو تقریباً20 گھنٹے کا سفر طے کرنا پڑا۔ 10رمارچ کی صبح آپ وہاں پہنچ گئے۔ بہار کے بہت سے مقامات میں انجمن کے ممبران رہتے ہیں۔ یہاں کچھ خاندانوں نے احمدیت میں شمولیت کی ہے۔ ان میں سے 10افراد ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔ وہ ہمیں اپنے گھر لے کر گئے اور کافی خاطر مدارت کی۔ ان کو خاصی تعداد میں تحریک احمدیت کا لٹریچر دیا گیا۔ سرپرست صاحب نے ہدایت کی کہ ماہوار رسائل وضروری لٹریچر کے علاوہ مبلغ پابندی سے اس علاقے کا دورہ کرے۔ کٹہار کے بعد ہم لوگ بھاگلپور کے لئے روانہ ہوگئے جو کہ یہاں سے سوکلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

وہاں پہنچ کر بھاگلپور شہر سے بارہ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک گاؤں میں گئے جہاں دوپہر کی دعوت تھی۔ یہاں ہماری ملاقات گھر کے ممبران کے علاوہ ایک مولوی صاحب سے ہوئی۔ انکے ساتھ تحریک احمدیت کے

بارے میں گفتگو ہوئی اور ان کو انجمن کا لٹریچر دیا گیا۔ بعد ازاں ایک کلومیٹر کے فاصلہ پر ایک دوسرے گاؤں میں گئے جہاں ہماری ملاقات حکیم صاحب اور ان کے فیملی کے ممبران سے ہوئی۔ اور انہوں نے وہاں کے موجودہ حالات سے آگاہ کیا اور چونکہ یہاں مخالف مولویوں کی اکثریت ہے اس لئے انہوں نے تبلیغی کارگذاری کے بارے میں احتیاط برتنے کی درخواست کی۔

بھاگلپور میں کتابوں کا میلہ لگا ہوا تھا اور ختم ہونے میں تین روز باقی رہ گئے تھے۔ لہٰذا وہاں سے ہم لوگ میلہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہاں مختلف تنظیموں کے تقریباً 30 اسٹال لگے ہوئے ہیں۔ لیکن کسی ایک مسلم تنظیم نے بھی اسلام پر کتابوں کی نمائش کا اہتمام نہیں کیا تھا۔ ہم نے جلدی میں بک فیئر کے منتظمین تک رسائی حاصل کی اور ایک اسٹال احمدیہ انجمن اشاعت اسلام انڈیا کے نام سے بک کرا کر دوسرے ہی دن سے بک فیئر میں حصّہ لے لیا۔ یہاں ہمارے کچھ ممبران نے کتابوں کا اسٹاک رکھا اور کچھ کتب مفت تقسیم کیں اور کچھ کتابیں قیمتاً۔ اللہ کے فضل و کرم سے میلے میں ہماری شرکت مفید ثابت ہوئی۔

11 رمارچ کو ہم لوگ صبح سویرے کہلگاؤں کے گاؤں برینی کے لئے روانہ ہوگئے۔ جو کہ تقریباً 40 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں سے کچھ اور ممبران ہمارے ساتھ ہوگئے۔ ہم نے وہاں ایک دن کے دورے کے لئے دو گاڑیاں کیں تا کہ مختلف علاقوں میں بآسانی جا سکیں پھر ہم کچھ فاصلے پر ایک قصبہ کا دورہ کرنے کے بعد برینی گاؤں پہنچے جہاں انجمن زمین کا ایک ٹکڑا خرید رہی ہے۔ تا کہ ہندوستان کے اس حصّہ میں شاخ قائم کر سکے۔ یہ گاؤں ایک سو پچاس مسلم خاندانوں پر مشتمل ہے۔ جس میں تقریباً چار سو پچاس بچے سولہ سال سے کم عمر کے ہیں۔ لیکن یہاں نزدیک میں کوئی اسکول یا دینی ادارہ نہیں ہے یہاں عارضی طور پر کچھ ابتدائی کلاسوں کا آغاز کمیونٹی ہال میں کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس جگہ عوامی اجلاسوں اور دوسری تقریبات کی وجہ سے پڑھائی میں رکاوٹ واقع ہو جاتی ہے۔ پچھلے تین سالوں سے اس علاقے کے ممبران جناب شوکت علی صاحب کی دہلی آمد کے موقع پر آتے رہے ہیں اور میٹنگ میں شامل ہوتے رہے ہیں اور وہ اس گاؤں میں ایک اسکول کے قیام اور پہلے سے بنی ہوئی چھوٹی سی مسجد کی توسیع و تعمیر نو کے لئے تعاون کی درخواست بھی کر چکے ہیں۔ چنانچہ جب ہم لوگ گاؤں برینی پہنچے تو لوگوں نے ہمارا خیر مقدم کیا اور وہاں کی روایت کے مطابق گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے۔ کافی تعداد میں بچے، نوجوان اور بزرگ استقبال کیلئے موجود تھے۔ چنانچہ آپ نے گاؤں کے بااثر شخصیتوں سے ملاقاتیں کر کے انہیں یقین دہانی کرائی کہ وہ گاؤں کیلئے ہر ممکنہ امداد مہیا کرائیں گے اور آپ نے گاؤں میں احمدیہ مرکز کے قیام کی پرزور تائید و حمایت کی۔

ہم لوگ گاؤں کے مکتب میں تشریف لے گئے تو وہاں تقریباً دو سو بچے و بچیاں تعلیم پا رہے تھے اور انجمن کی جانب سے مقرر کردہ معلمین ان کی تعلیم و تربیت میں منہمک تھے۔ طالب علموں نے شوکت علی صاحب کا استقبال کیا اور فارغ ہو جانے کے بعد تمام حاضرین کے لئے طعام کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد تمام لوگوں نے وہاں کی مسجد کا معائنہ کیا اور نمازیوں سے ملاقات کی۔ جناب شوکت صاحب نے نمازیوں کو تاکید فرمائی کہ جگہ کی تنگی کے باوجود سارے لوگ جمعہ کی نماز میں شامل ہوں اور ضرور نماز ادا کریں۔ بہر حال وہاں ایک اسکول اور مسجد کی توسیع اور دیگر ضروری سہولیات کے لئے منصوبہ تیار کر لیا گیا ہے اور مولوی محمد مشتاق صاحب کو اس علاقہ کے لئے ہمہ وقتی مبلغ مقرر کر دیا گیا ہے۔

وہاں سے ہم مقامی ممبران جناب مولوی عبد القیوم صاحب، جناب مولوی محمد شمشیر صاحب اور جناب ڈاکٹر محمد شہاب صاحب کے ہمراہ تقریباً 12 رکلومیٹر کے فاصلے پر ایک اور گاؤں ویر بنا پہنچے۔ جہاں کچھ مخلص حضرات نے احمدیت کا پیغام سننے کی تمنا ظاہر کی تھی اور تحریک احمدیت میں شمولیت کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا۔ ان میں سے کچھ حضرات دہلی بھی آ چکے ہیں۔ استقبال کے بعد گفتگو شروع ہوئی، کچھ دیر مفتی ممتاز عالم صاحب نے کھڑے ہو کر ان کو مخاطب کیا اور حضرت امام الزماں کے پیغام اور حقیقی اسلام سے روشناس کرایا۔

اس گاؤں میں مسجد ممبران کے گھر سے کچھ فاصلہ پر ہے اور ناساز گار موسم کے وقت ان لوگوں کا وہاں پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ جناب شمشیر صاحب اور ڈاکٹر شہاب صاحب جن کا تعلق اس علاقہ سے ہے انہوں نے اور وہاں کے دوسرے فرقوں کے مسلمانوں نے بھی واضح کیا کہ گاؤں میں ایک مسجد کی تعمیر ضروری ہے تا کہ بچوں سمیت یہاں لوگ بآسانی پنج وقتہ نماز ادا کر سکیں۔ ویر بنا سے ہم لوگ واپس کہلگاؤں پہنچے اور ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔

دورہ کولکتہ

ساڑھے 8 / گھنٹے کا سفر طے کر کے ہم لوگ 12 / مارچ کی صبح چھ بجے کولکاتا پہنچ گئے۔ کولکتہ ریلوے اسٹیشن پر سیکرٹری جناب اشفاق حسین صاحب نے بہت گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ اور ہمیں ہوٹل لے گئے۔

ہوٹل پہنچنے کے بعد جناب اشفاق حسین صاحب، جناب عنایت کریم شیخ صاحب اور ان کے بھائی جناب ہدایت کریم شیخ صاحب کے ساتھ میٹنگ ہوئی۔ خوش قسمتی سے یہ جمعہ کا دن تھا۔ ہم نے ہوٹل میں جمعہ کی باجماعت نماز ادا کی۔ اس کے بعد کولکتہ جماعت احمدیہ لاہور کے دوسرے ممبران ہم سے ملنے آتے رہے۔ برادر عبد المطلب صاحب اور عنایت کریم شیخ صاحب نے مشن کی ترقی وفروغ کے سلسلہ میں مختلف تجاویز پیش کیں اور ان کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہوئی۔

صوبہ مغربی بنگال کے جن حضرات کے ساتھ جناب شوکت علی صاحب کا انٹرنیٹ اور فون پر رابطہ رہتا ہے ان میں سے کئی حضرات آپ سے ملنے ہوٹل تشریف لائے۔ ان میں ایک طالب علم کمپوٹر سائنس میں پوسٹ گریجویٹ کی تعلیم مکمل کرنے والے بھی ہیں۔ انہوں نے کہا ''جب میرا محترم شوکت علی صاحب سے سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا تو مجھے حیرانی ہوئی کہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) کسی اور مسلم جماعت کے مقابلہ میں تحفظ ختم نبوت کی زیادہ حمایت اور تائید کرتی ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جو آج مجھے یہاں کھینچ کر لایا ہے'' وہ اپنے ساتھ اپنے رشتہ کے بھائی کو بھی ملاقات کی غرض سے لائے ہوئے تھے تا کہ وہ بھی تحریک احمدیت کے ذریعے اسلام کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ انہیں چند کتب پیش کی گئیں۔ ہوٹل میں رات دس بجے تک ملاقاتیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ لٹریچر جو ہم دہلی سے ساتھ لائے تھے مقامی ممبران کے پڑھنے اور تقسیم کرنے اور کولکاتا کی لائبریریوں کو بھیجنے کے لئے ان کے سپرد کر آئے۔ بالآخر محترم شوکت صاحب کا طویل دورہ اختتام کو پہنچا۔ اور احباب نے ہم سب کو الوداع کہا اور ہم دہلی واپس جانے کے لئے ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔

☆☆☆☆

تسبیح کے بارے میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ارشاد

تسبیح کرنے والے کا اصل مقصود گنتی ہوتا ہے اور وہ اس گنتی کو پُورا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ یا تو وہ گنتی پوری کرے اور یا توجہ کرے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ گنتی کو پوری کرنے کی فکر کرنے والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا۔ انبیاء علیہم السلام اور کاملین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا شدہ ہوتے ہیں انہوں نے گنتی نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ اہل حق تو ہر وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے گنتی کا سوال اور خیال ہی بیہودہ ہے۔ کیا کوئی اپنے محبوب کا نام گن کر لیا کرتا ہے؟ اگر سچی محبت اللہ تعالیٰ سے ہو اور پوری توجہ الی اللہ ہو تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ پھر گنتی کا خیال پیدا ہی کیوں ہوگا۔ وہ تو اسی ذکر کو رُوح کی غذا سمجھے گا اور جس قدر کثرت سے کرے گا۔ زیادہ لُطف اور ذوق محسوس کرے گا اور اس میں اور ترقی کرے گا لیکن اگر محض گنتی مقصود ہو گی تو وہ اسے ایک بیگار سمجھ کر پورا کرنا چاہے گا۔

(الحکم جلد ۸ نمبر ۱۹۔۲۰ صفحہ ۲، ۳ بابت ۱۰، ۱۷ جون ۱۹۰۴ء)

انتقال پر ملال

راولپنڈی میں ہمارے نہایت مخلص بھائی جناب اقبال محمود ظہوری صاحب جو کچھ عرصہ سے دل کے عارضہ اور دیگر کئی امراض سے بیمار تھے۔ رحلت فرما گئے ہیں۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون** ۔ آپ کی عمر 75 سال تھی۔ حضرت امیر ایدہ اللہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ مرحوم جماعت کے نہایت سرگرم رکن تھے۔ ان کے بچے ظہور الرحمٰن صاحب، نور الرحمٰن صاحب، شفیق الرحمٰن صاحب اور حمود الرحمٰن صاحب نہ صرف پر جوش احمدی ہیں بلکہ دین کے کاموں میں نہایت بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کی اولاد میں دین کی خدمت کے جذبہ کو قائم رکھے۔

ایک المیہ

موبائل کی سہولت اور سماجی مسائل

وقاص احمد

ایسی نظم، نثر یا ڈرامہ جس کا انجام افسوس ناک یا ہولناک ہو، المیہ کہلاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے حالات اور واقعات ہوتے رہتے ہیں جن کا اثر حساس دلوں پر ہوتا ہے اور قلم کار ان کو الفاظ کی شکل میں کالم یا افسانے کے ذریعے ہم تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن اب میڈیا کے ذریعے ایسے ڈرامے اور شو دن رات آپ کی نظر سے گذرتے ہیں جو ہولناک واقعات کا آنکھوں دیکھا حال آپ کو حیران اور پریشان کر دیتے ہیں۔ اب ایسے واقعات المیہ نہیں معمول بنتے جا رہے ہیں۔ انسان اپنی زیست کے لئے اس قدر بھاگ دوڑ میں مصروف ہو گیا ہے کہ دوسروں کے غم اور پریشانیوں کا مداوا کرنا تو ایک طرف اس کو سوچنے کی بھی مہلت نہیں۔

ادھر نئی نئی سائنسی ایجادات نے ایک لحاظ سے سہولتیں تو پیدا کی ہیں لیکن ان سے نئے سماجی اور اخلاقی مسائل بھی کھڑے ہو رہے ہیں، اگر ان کا تجزیہ کیا جائے تو آسانیوں کے مقابل میں ان کی ہولناکیاں زیادہ دور رس اور پریشان کن نتائج پیدا کر رہے ہیں۔ اب موبائل کو ہی لے لیں۔ ایک طرف تو اس کے ذریعے انسانی زندگی میں پیغام رسانی کتنی جلدی اور آسان سے ہو گئی ہے۔ اگر ان آسانیوں اور سہولتوں کو دیکھیں جن کی وجہ سے دوریاں سمٹ کر قربتوں میں بدل گئی ہیں۔ ادھر آپ کے دل میں خیال آیا یا آپکو کسی بات کا علم ہوا یا آپ نے فوری طور سے کسی مقام سے کسی سے بات کرنی ہے یا اپنے کسی قریبی کا چہرہ دیکھنا ہے یا کسی محفل کی رونق کو دیکھنا ہے تو ایک بٹن دباتے ہی الہ دین کے چراغ کی طرح چشم زدن میں آپ دیکھ لیتے ہیں، بات کر لیتے ہیں یا دل کی بات کسی کو کہہ لیتے ہیں یا دوسرے کا دکھ بانٹ لیتے ہیں۔ لیکن یہ مٹھی میں آنے والا آلہ لوگوں کے لئے اخلاقی اور سماجی بلیک میلنگ کا آلہ بھی بنتا جا رہا ہے۔ فحاشی، عریانی اور برائی کی ترویج اور تشہیر کا موثر ذریعہ بھی۔ ہم شوق اور محبت سے اکثر اوقات رابطہ رکھنے کے لئے بچوں کو موبائل خرید کر دیتے ہیں۔ لیکن پھر یہ چھوٹا سا آلہ جو ایک طرف تو قریب کی سہولت فراہم کرتا ہے آپ کو بچے کے متعلق پل پل کی خبر دیتا رہتا ہے یا مہیا کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے لیکن یہی قربت بڑھانے کا ذریعہ بچوں کو آپ سے دور کر دیتا ہے بلکہ وہ بالکل قریب ہوتے ہوئے بھی آپ کی نگرانی کی گرفت سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ باخبر رکھنے والا آلہ ایسی صورت دھار لیتا ہے کہ آپ بچوں کے متعلق کوشش کے باوجود بے خبر ہو جاتے ہیں۔ بچے کس سے بات کر رہے ہیں، کیا بات کر رہے ہیں آپ کو کچھ معلوم نہیں۔ زبان خاموش ہے اور انگلیوں سے پیغام جا رہے ہیں اور آ رہے ہیں۔ تصویریں آ رہی ہیں اور تعلقات کی حدود کہاں تک پہنچ رہی ہیں یا پہنچ چکی ہیں۔ آپ اس سے بالکل بے خبر ہیں۔ اس لحاظ سے سہولت کے اس آلہ نے والدین کے لئے کئی سماجی الجھنیں اور ذہنی پریشانیاں کھڑی کر دی ہیں۔ آپ کو تمام تر آسائشوں کے میسر ہونے کے باوجود ذہنی بے اطمینانی اور پریشانی کا سامنا رہنے لگا ہے۔ اب والدین کو زندگی کی تگ و دو کے ساتھ ساتھ بچوں کی تربیت کے لئے زیادہ ہوشیاری اور فکر مندی سے کام لینا پڑ رہا ہے۔ اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان آسانیوں نے زندگی زیادہ بوجھل بنا دی ہے۔ نئے نئے خطرات اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ انسانی دماغ کے ذریعے انتظامات کے باوجود انسان خود کو غیر محفوظ سمجھنے لگا ہے اور اپنی تمام تر کوشش کے باوجود انسان کو اپنے ذرائع سے زیادہ اللہ کے سہارے پر بھروسہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہا تا کہ اللہ تعالیٰ اپنی غیبی طاقت سے والدین کے جگر گوشوں کو برائیوں اور بے راہروی سے بچا کر ایک نیک اور کامیاب انسان بنائے۔ اللہ پر بھروسہ کے اس ذریعہ کا دوسرا نام دعا ہے۔

اب بچوں کی تربیت کی ذمہ داری والدین اور استادوں کے ہاتھوں سے نکل کر ملک کے تمام اداروں اور کمپنیوں کی ذمہ داری بن گئی ہے۔ اور ان کو خود ان کی برائیوں سے روکنے اور نیک کاموں کی ترغیب

دینے میں موثر کردار ادا کرنا ہوگا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان تجارتی اداروں کو صرف اور صرف منافع کی فکر ہے۔فیملی کے سماجی رشتے یا معاشرے کے اخلاقی اقدار گویا مال وذر کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں۔منافع خوری اور تجارت کی وسعت ہی اصل مقصد حیات رہ گئے ہیں۔

انسان کی زندگی کا مقصد موہوم سی خوشی اور سہولت کے سراب کے پیچھے دوڑنے کے سوا کچھ نہیں رہا۔ہم جدیدیت کی طوفانی لہروں کی زد میں بہتے ہوئے ایک مہیب سمندر کی طرف جارہے ہیں، جس کی گہرائی ہمیں نگل جائے گی۔لیکن دوسری طرف اس حقیقت کو بھی ذہن میں لائیں کہ ناپیدا کنار سمندر پر حکمرانی کے لئے انسانی ذہن نے بڑے بڑے جہاز بھی تو بنائے ہیں جو وسیع وعریض سمندر میں زندگی کی چمک دمک کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔اس ساری گفتگو سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اگر انسان اپنی تمام تر دنیاوی تسخیر میں بھلائی کے عنصر کو مدنظر رکھے تو وہ نقصانات سے بچ سکتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کو اللہ کی ذات پر ایمان اور اس کی رہنمائی مانگتے رہنا چاہیے یہی نماز کی غرض وغایت ہے۔خدا کی عبادت سے اس کی عظمت اور حاکمیت کا منوانا غرض نہیں بلکہ اس کا بنیادی مقصد انسان کو اپنی ذات کو اللہ کی بتائی ہوئی قیود کا احساس، ان کی فرمانبرداری اور رہنمائی حاصل کرنا ہے کیونکہ تمام قوتوں کو سرچشمہ اور حاکمیت کا مرجع اللہ کی ذات ہی ہے اور ہر حالت میں اس سے مدد اور رہنمائی مانگنا ہی انسان کو معراج کے مقام تک پہنچا سکتا ہے۔ورنہ اس روش سے انحراف اس کو تباہی کی طرف لے جائے گی۔اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید کی ذیل کی آیت ہماری توجہ دلاتی ہے کہ:

''اور جب دریا یا سمندر میں مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کھوئے جاتے ہیں جنہیں تم پکارتے ہو، سوائے اس ایک کے۔پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تم منہ پھیر لیتے ہو۔اور انسان ناشکر گزار رہے''۔

(بنی اسرائیل ۱۷:۶۷)

☆☆☆☆

جماعتی خبریں

دعا کی درخواست

راولپنڈی میں ہمارے نہایت عزیز بھائی محمود احمد صاحب کی بیگم صاحبہ اور برلن مسجد کے نوجوان امام محمد علی صاحب کی والدہ صاحبہ کافی بیمار ہیں۔ایک دو مرتبہ ان کو ہسپتال بھی داخل کروانا پڑا۔احباب جماعت ان کی صحت کاملہ کے لئے درددل سے دعا کریں۔

تعزیت کا شکریہ

برادرم عبدالقیوم صاحب، سپریڈنڈنٹ مرکزی دفتر، احمدیہ انجمن، لاہور ان تمام احباب اور خواتین کا تہہ دل سے ممنوں ہیں جنہوں نے ان کی بیگم صاحبہ کی وفات پر ذاتی طور پر یا بذریعہ خط یا فون تعزیت کی۔اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

ان کی درخواست ہے کہ احباب ان کے اور ان کے بچوں کے لئے دعا فرماتے رہیں۔

عیادت کا شکریہ

وزیرآباد سے نگینہ عامر صاحبہ ان تمام احباب اور خواتین کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہیں جو لاہور، دارالسلام میں ان کے آپریشن کے بعد عیادت کے لئے ہسپتال یا پھر گھر آئے یا فون پر خیریت معلوم کرتے رہے۔ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے صحت کاملہ عطا فرمائی۔جزاکم اللہ

سالانہ تربیتی کورس 2010ء ملتوی

نوجوانوں کے لئے ہر سال کی طرح اس سال سالانہ تربیتی کورس جو 20 جون تا 4 جولائی منعقد ہونا تھا۔اور جس میں بیرون ملک سے بھی کئی لوگوں کی شمولیت کی توقع تھی۔اس کو موجودہ مخدوش حالات کی بنا پر ملتوی کر دیا گیا ہے۔

جنرل سیکرٹری
احمدیہ انجمن لاہور

شبان الاحمدیہ مرکزیہ، لاہور: حامد رحمٰن

بچوں کا صفحہ

وعدے کا پاس

حارث بن عبادت اور عدی بن ربیعہ کے مابین سخت دشمنی تھی۔ حارث دن رات اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح عدی کو پکڑ کر اس سے انتقام لے۔ ایک مرتبہ میدان جنگ میں دونوں کا ٹکراؤ ہو گیا۔ حارث نے عدی کو مغلوب کر لیا لیکن وہ اس کی صورت سے آشنا نہ تھا کہ یہی شخص عدی بن ربیعہ ہے۔ عدی کو گرفتار کر کے حارث نے پوچھا:

''کیا تم بتاؤ گے کہ عدی بن ربیعہ کہاں ہے؟''

عدی جو خود گرفتار تھا، بولا:

''میں تمہیں عدی کے بارے میں بتا سکتا ہوں لیکن اس وعدہ کے ساتھ کہ میں جونہی عدی کا پتہ بتاؤں تم مجھے فوراً رہا کر دو گے اور پھر نہ پکڑو گے۔

حارث نے جواب میں کہا: کہ اسے یہ منظور ہے۔

عدی بولا: ''میرا نام عدی بن ربیعہ ہے اور میں وہی آدمی ہوں جس کی تمہیں تلاش ہے''۔

یہ سن کر حارث نے اسے اسی وقت اس کو رہا کر دیا اور پھر کبھی اس کی گرفتاری کا خیال تک نہیں کیا۔

گوہر نایاب

☆ کسی شخص کی تحریر میں اس کی شخصیت عیاں ہوتی ہے۔

☆ ہمیں ہر اس چیز سے محبت کرنی چاہیے جو محبت کئے جانے کے قابل ہو اور ہر اس چیز سے نفرت کرنی چاہیے جو نفرت کے قابل ہو۔ لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب ہمارے پاس دونوں کے فرق کو دیکھنے کے لئے عقل کی دولت بھی ہو۔

☆ دوسروں کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھنے سے بڑی بڑی محبتیں جنم لیتی ہیں۔

علم کی قدر

جاتے ہیں سکول جو بچے
لگتے ہیں وہ سب کو اچھے
ابو، امی، بہن اور بھائی
خوش ہوں گے سب کرو پڑھائی
ملتی ہے منزل آگے بڑھ کر
نام کرو روشن تم لکھ پڑھ کر
وقت کو جو بھی کھوتا ہے
وہ بعد میں بچو! روتا ہے
آج ہی سے کرو یہ وعدہ
کھیلو گے کم اور پڑھو گے زیادہ

کوئز اطفال الاحمدیہ

سوال نمبر 1 فتح مکہ کے وقت مسلمانوں کے لشکر کی تعداد کیا تھی؟

سوال نمبر 2 کون سی سورت کے بغیر نماز نہیں ہوتی؟

سوال نمبر 3 رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبین کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال نمبر 4 جماعت احمدیہ لاہور کی بنیاد کب رکھی گئی؟

سوال نمبر 5 جماعت احمدیہ لاہور کے پہلے مرکز کا نام بتائیں؟

پچھلے شمارہ میں درست جواب دینے والی بچی کا نام

عالیہ ابرار

باہتمام پاکستان پرنٹنگ ورکس کچارشید روڈ لاہور سے چھپوا کر پبلشر چوہدری ریاض احمد صاحب نے دفتر پیغام صلح، دارالسلام ۔۵۔عثمان بلاک، نیوگارڈن ٹاؤن لاہور سے شائع کیا۔

پیری سکول پرووکرتو کے طلباء اور اساتذہ لیکچر کے دوران

پرووکرتو کی سب سے پرانی مسجد السلام میں خواتین کا جمعہ کے لئے اجتماع

پیری سکول (یوگ جکارتہ) کے اساتذہ سے محترم عامر عزیز الازہری
خطاب کرتے ہوئے

پیری پرائمری سکول (یوگ جکارتہ) کے طلباء حضرت امیر ایدہ اللہ اور
محترم عامر عزیز الازہری کا استقبال کرتے ہوئے